اس کتاب کو کوئی صاحب بغیر اجازت مصنف چھاپنے چھپوانے کا قصد نہ کریں

شاہنامہ ہند

جلد اوّل

از بلبلِ بہا حضرت علامہ سریر کابری گیاوی مینائی

ملنے کا پتہ :- تاج بکڈپو - رانچی - (بہار)

قسم اوّل چار روپے آٹھ آنے

معنون

میں اپنی اس ناچیز تصنیف اور حقیر تالیف کو
سکندر شوکت، دارا حشمت، رستمِ زماں، افلاطونِ
دوراں، اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں
والئ ریاست حیدرآباد دکن کے نام نامی
و اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مینائی
سریر کابری گیاوی

مطبوعہ لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ۔ پٹنہ

کتبہ سوز داناپوری
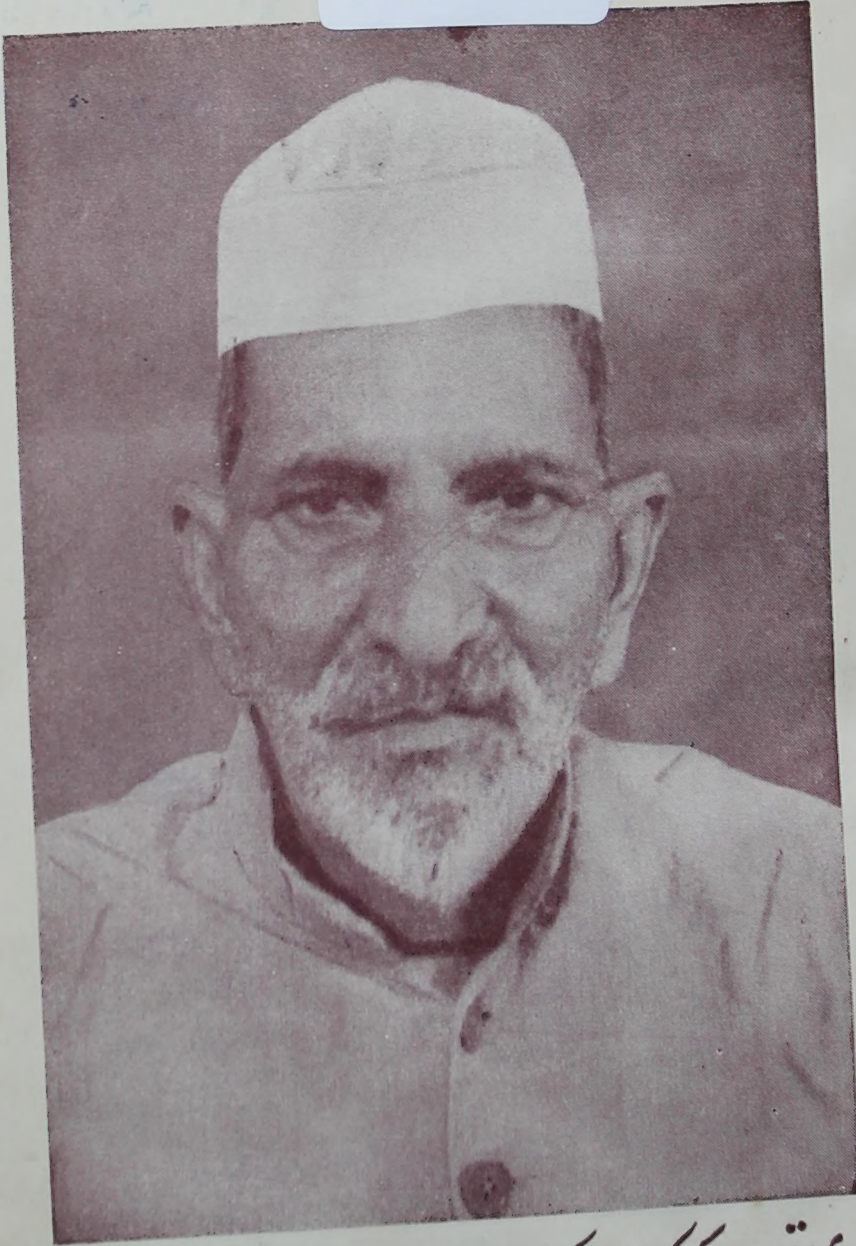
مری تصویر کو کیا دیکھتے ہو
مرا ہر شعر ہے تصویر میری

(بلبلِ بہار علامہ سریر کابری گیاوی مینائی)

مجھے ہے خدمتِ قوم و ادب کا ذوق بچپن سے　　میں اس پاکیزہ خدمت کو شرف اپنا سمجھتا ہوں

عالی جناب مولوی عبدالرؤف صاحب رئیس ملکی ضلع گیا۔ ناشر شاہنامہ ہند

فہرست مضامین "شاہ نامہ ہند" جلد اول

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	معنون، حقیقت حال۔ تقاریظ وتعارف	ا تا ۳۲
۲	حمد	۱
۳	نعت ومنقبت	۳-۴
۴	سبب تصنیف	۵
۵	عرض حال	۷
۶	راجہ سامری والئ مالابار کا معجزہ شق القمر دیکھنا اور سفر مکہ کرنا اور اسلام قبول کرنا اور واپسی میں انتقال کرنا	۹
۷	۵ اصحاب رسول کا مالابار آنا اور بود و باش اختیار کرنا، سنگلدیپ اور مالابار کے مسلمانوں کا حج کے لئے جانا اور لٹ جانا۔ حجاج نائب خلیفہ کا تنبیہہ نامہ بھیجنا اور راجہ داہر کا توجہ نہ کرنا بدیل کا ایک ہزار فوج کے ساتھ دیبل آنا اور شکست کھانا	۱۰
۸	محمد بن قاسم کا چھ ہزار فوج کے ساتھ دیبل جسکو اب کراچی بندرگاہ کہتے ہیں آنا، اور جنگ کرنا اور فتح پانا	۳۷
۹	فتح دیبل کے بعد قلعہ ہرون وسیستان کی فتح اور کچھ لڑائے اور راجہ داہر کے دونوں بیٹوں سے جنگ کرنا	۴۷
۱۰	راجہ داہر کا جنگ کیلئے میدان میں آنا، مگر دونوں فوجوں میں کسی کا مغلوب نہ ہونا	۵۲
۱۱	راجہ داہر کا دوسرے دن جنگ کیلئے آنا اور مارا جانا	۷۲
۱۲	راجہ داہر کی رانی کا جنگ کے لئے آنا اور اسلامی فوج کا مخاطب نہ ہونا	۷۸
۱۳	دمشق مال غنیمت کا پہنچنا اور راجہ داہر کی لڑکیوں کا خلیفہ سے محمد بن قاسم کی شکایت کرنا	۷۹
۱۴	اور خلیفہ کا محمد بن قاسم کو طلب کرنا اور راستہ میں محمد بن قاسم کا انتقال کرنا	۸۰
۱۵	تمیم انصاری کا سندھ آنا اور حکومت	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کا ۳۸ برس کے بعد قبضہ سے نکل جانا	۸۱
۱۶	ہندوستان میں غزنوی حکومت، راجہ جیپال فرمانروائے کابل و پنجاب کا غزنی پر حملہ کرنا۔ اور سلطان سبکتگین کا حملہ کے بعد فتح پانا	۹۷
۱۷	سلطان سبکتگین کا متواتر ہندوستان پر حملہ کرنا، اور فتح پانا۔ اور بلخ میں انتقال کرنا	۱۰۶
۱۸	محمود غزنوی کا باپ کے انتقال کے بعد تخت نشیں ہونا	۱۱۲
۱۹	محمود غزنوی کا راجہ جے پال، انند پال اور رائے بہاٹیہ سے جنگ کرنا اور فتح پانا	۱۲۰
۲۰	سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر مختلف حملے اور اس کی فتوحات	۱۲۴
۲۱	سلطان محمود کے اجمیر، دہلی۔ کالنجر، لنگرکوٹ اور سومنات پر حملے اور اس کے فتح کے بعد ایاز کو حاکم بنا کر غزنی جانا	۱۳۵
۲۲	محمود غزنوی کی ہندوستان پر حکومت اور اس کی رواداری	۱۳۸
۲۳	محمود غزنوی کا انتقال اور سپہ سالار غازی کا ہندوستان آنا اور ان کی جنگ اور شہادت	۱۵۲
۲۴	خواجہ معین الدین چشتی کا اجمیر آنا، اور شہاب الدین غوری کی فتوحات	۱۵۶
۲۵	سلطان شہاب الدین غوری کا حملہ اور اس کی فتوحات۔ پھر اس کا دریائے جہلم کے کنارے شہید ہونا	۱۶۱
۲۶	قطعات تاریخ شاہ نامہ ہند حصہ اول	۱۶۲

حقیقتِ حال

عالیجناب فیض مآب امیر ادیب۔ مُحبِّ مکرم والاجاہ عبد الرؤف صاحب۔ بی۔ اے۔ دام فیضہٗ

۱۳۴۷ھ ۔ ۱۹۵۴ء

از قلمِ بے کمال فقیر سریرؔ کابری

۱۳۴۷ھ

شبیہِ عالمِ فانی ہے دو رخی تصویر
زمانہ روزِ ازل سے ہے انقلاب پذیر

کوئی حق اس کو نہیں آج خواب راحت کا
نہ دیکھے خواب سے پہلے جو خواب کی تعبیر

مٹا رہا ہے زمانہ سلف کے نام و نشاں
نظر سے ہوتی ہے رُوپوش دُور کی تصویر

عدو کی کوششِ ناکام در پیٔے ایذا
پھر اُس پہ دسترسِ انقلابِ چرخِ پیر

وہ قوم مٹ کے رہی جس کی مٹ گئی تاریخ
کسی کو آج نہ تھی اس کی فکر دامنگیر

محل پہ اپنے چھپا آج شاھنامۂ ھند
رہے بلند ہمیشہ یہ آہنی تعمیر

یہ مردہ قوم میں اک تازہ رُوح پھونکیگا
ہے موجِ نطق میں آبِ حیات کی تاثیر

میں داد دیتا ہوں اس ہستیٔ مبارک کو ... کہ جس کے فیض کرم کی ہے شہرت عالمگیر

خلیق طبع مروت، شعارِ نیک مزاج ... متین طبع محبت قماش پاک ضمیر

سخن شناس و سخن سنج و قدر دانِ سخن ... ز فرق تا بہ قدم علم و فضل کی تصویر

زباں سے بات جو نکلی وہ کر کے دکھلا دی ... کہ جیسے مٹ نہ سکے حرفِ کاتبِ تقدیر

جناب مولوی **عبد الرؤف** صاحب کا ... مجھے ملا نہ زمانے میں کوئی مثل و نظیر

خدا نے علم کے ساتھ ان کو دی ہے دولت بھی ... یہ ایک ذات ہے مجموعۂ صفاتِ کثیر

بہ ایں عروجِ طبیعت میں خاکساری ہے ... فلک پہ رہ کے بھی ہے خاکبوس ماہ منیر

لیا نہ بھول کے دولت کا مصرفِ بیجا ... ہمیشہ کرتے رہے خدمتِ غریب و فقیر

مطلع ثانی

بیاں میں حسن متانت، زباں میں تاثیر ... رئیس ابن رئیس و امیر و ابن امیر

اٹھا جو سایۂ ظلِ پدر لڑکپن میں ... تو فکر ہو گئی اسٹیٹ کی گریباں گیر

قلیل عرصے میں اے، بی سے ہو گئے بی، اے ... الٹ دی دفترِ تعلیم کی بساط صریر

ہجومِ فکر نے اٹکائے راہ میں روڑے | مگر تھا سایہ فگن سر پہ فضلِ ربِّ قدیر
کیا جو کام وہ نام آوری کا کام کیا | سلا تھا سعی گرامی سے دامنِ تقدیر
اُمورِ خیر سے نام آوری نہیں مقصود | ہر ایک کام ہے بہر رضائے ربِّ قدیر
وطن میں کھول دی اک ایسی درسگاہِ علوم | کہ جس سے چار طرف پھیلی علم کی تنویر
غریبوں کیلئے کھولا پھر اک شفا خانہ | ہمیشہ جس سے شفا پاتے ہیں غریب و امیر
جناب صفدر علی صاحب ان کے والد نے | وطن میں مسجد پختہ جو کی تھی اِک تعمیر
کچھ ایسی کرتے رہے اُسکی یوم و شب خدمت | کہ جس میں گونجتا رہتا ہے نعرۂ تکبیر
دُکانیں پیش درِ مسجد گیا میں جو آج | برائے مسجد جامع ہے جس کا نفع کثیر
علاوہ اس درِ مسجد کے داہنے بائیں | انہیں کی بہر تحفظ دو طرفہ ہے تعمیر
ہمیشہ لیتے رہے کار خیر میں حصّہ | ہمیشہ نفع اٹھاتے رہے صغیر و کبیر
گیا و ملکی و دھنباد پر نہیں موقوف | کہاں نہیں ہے بچھا خوانِ عزت و توقیر
ہیں ابتدا ہی سے جو ہر شناس اہل کمال | وہ کون ہے جو نہیں دامِ لطف میں ہی اسیر

نوٹ:- ملکی و گیا ان کی قدیم قیام گاہیں ہیں۔ اور دھنباد جدید۔

چھپا کے دیتے ہیں ہوتی ہے شہرت اس پر بھی — ہے انکی خوئے سخاوت میں مشک کی تاثیر

یتیم و بیکس و بیوہ پہ سینکڑوں احساں — کہاں ہے اب کوئی فیاضیوں میں اُن کا نظیر

جو چھپ گئے نکلا ہے یہ آج شاہنامۂ ہند — اُنہیں کے فیض سُخن پروری کی ہے تعمیر

یہ وہ عمارت نئی ہے جس کے چوکھٹے میں — دکھائی دیتی ہے اقبال قوم کی تصویر

انہیں کی ہمت عالی کا یہ کرشمہ ہے — کہ طبع ہو گئی تصنیف بے عدیل و نظیر

یہ کام وہ ہے کہ ہوتا ہے جو نصیبوں سے — وطن میں اور بھی ہیں سینکڑوں امیر کبیر

دُعا نکلتی ہے بیساختہ تہہِ دل سے — کہ اُن کی عمر میں دے برکتیں خدائے قدیر

نصیب ان کے عزیزوں کو انکے ہوں اوصاف — کہ جیسے شبیے میں تصویر سے کھچے تصویر

ہمیشہ نیرِ اقبال ہو ترقی پر — ہمیشہ سعیِ گرامی کا ساتھ دے تقدیر

علاوہ دوستوں کے ان کے جتنے دشمن ہوں — رہیں نہ وہ بھی کبھی پائمال چرخِ پیر

رہے زمانے میں جبتک رواجِ علم و عمل — بنیں یہ مصحفِ احسان و لُطف کی تفسیر

سحرؔ کی یہ دُعائیں قبول ہو جائیں — الٰہی روزِ ازل سے ہے تو سمیع و بصیر

گرانقدر رائیں

از مولانا عبدالسلام ندوی، مصنف شعرالہند، دارالمصنفین اعظم گڑھ :-

"آج تک فن تاریخ زیادہ تر نثر میں محدود رہا ہے - ہندوستان ہو یا ایران، ان سب کی تاریخیں اکثر نثر میں لکھی گئی ہیں۔ نظم میں تاریخ کا سرمایہ اس قدر کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے - فردوسی کے شاہنامہ میں اگرچہ ایران قدیم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ تاہم وہ تاریخ کی کتاب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ افسانوی رنگ کے غالب آنے سے وہ ایک افسانہ کی کتاب بن کر رہ گیا ہے - اس لئے اس زمانے میں جبکہ اُردو شاعری میں نئے نئے رجحان پیدا ہو رہے ہیں - اس بات کی ضرورت ہے کہ شاعری تاریخی معلومات کا بھی ایک مستند ذخیرہ بن جائے - اور اگر نظم میں ہندوستان کی تاریخ لکھی جائے تو وہ ہندو اور مسلمان دونوں

قوموں میں یکساں مقبولیت حاصل کر سکتی اور اردو زبان کی ترویج و مقبولیت

کا بھی سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے ہم کو خوشی ہے کہ گیا کے ایک مشہور

کہنہ مشق شاعر سید محمد عباس سریر کابری نے "شاہنامۂ ہند"

کے نام سے ہندوستان کی ایک تاریخ مرتب کی ہے۔ اور ہم کو توقع ہے

کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کافی مقبولیت حاصل کرے گی اور گورنمنٹ

بھی اس کی قدردانی کر کے پبلک میں اس نئے شاعرانہ رجحان کی اشاعت

کا سبب بنے گی۔"

عبد السلام دار المصنّفین اعظم گڈھ

۲۷ جون ۵۵ء

از حضرت نیاز فتحپوری، اڈیٹر رسالہ "نگار" لکھنؤ :۔

"جناب سریر کابری کی منظوم تاریخ کے بعض اجزا میری نگاہ سے گزرے

اور مجھے بیحد پسند آئے۔ ایسی کتابیں اکثر محاسن شاعری سے خالی ہوتی

ہیں۔ لیکن کابری صاحب نے تاریخ کے خشک واقعات کو جس

خوبصورتی کے ساتھ نظم کیا ہے ازبس قابلِ داد ہیں۔''

نیازؔ فتحپوری

از لکھنؤ ۲۲-۳-۵۵ء

حضرت جعفر علیخاں اثرؔ لکھنوی، اپنے معذرت نامے میں رقمطراز ہیں :۔

مکرم بندہ سلام مسنون !

''آپ کے دو کارڈ ملے۔ میری صحت بالکل جواب دے چکی ہے۔ اور میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کی نادر تصنیف پر تقریظ لکھ سکوں۔ مجھے افسوس اور شرمندگی ہے در اصل معذور ہوں۔ صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

اثرؔ لکھنوی کشمیری محلہ

۲۶ اپریل ۵۵ء

حضرت افقر موہانی لکھنوی اپنے گرامی نامے میں رقمطراز ہیں:-

"حضرت سریر کابری نے مدت مدیدہ کے بعد شرف ملاقات بخشا ساتھ ہی "شاہنامۂ ہند" کا مژدہ بھی سنایا۔ بعض بعض مقالات سامعہ نواز فرمائے، کلام سے کلیم کا احترام ہوتا ہے۔ مگر جہاں کلام اور کلیم دونوں محترم ہوں، وہاں کی بات کا کیا کہنا۔ بے حد متاثر ہوا۔ وقت کی ضرورت نے اور چار چاند لگا دیئے۔ الغرض

اکنوں توئی جمیل جہاں گرچہ پیش ازیں
آوازۂ جمال ز کنعاں بر آمدہ

ناچیز افقر موہانی وارثی از لکھنؤ

۲۳ رنگاہ ۱۳۵۴ء

الی ہو

س

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

— از —

حضرت مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی۔ پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ۔ پٹنہ

مصنف "تاریخ صقلیہ" "تاریخ اندلس" "اسلامی نظام تعلیم" "عہد اسلامی کا ہندوستان" وغیرہ

حامداً ومصلیاً

گیا کے بعض احباب کی خواہش ہے کہ راقم سطور حضرت سریر کابری کی تازہ تصنیف "شاہنامہ ہند" کے صفحہ تعارف کو اپنی کج مج زبان قلم سے پُر کرے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف کے ساتھ اس کے لائق قدر مصنف کا بھی چند سطروں میں تعارف کرا دیا جائے۔

یوں تو راقم سطور اور حضرت سریر کے درمیان دُور دُور کی جان پہچان ایک زمانہ سے رہی، لیکن ماہنامہ "ندیم" گیا کی ادارت کے دَور (۱۹۳۶ء۔ ۱۹۴۱ء) میں گیا میں کچھ دنوں مستقل قیام کرنے کا موقع ملا۔ اور ہم دونوں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوئے۔ حضرت سریر آجکل

"گینا گورنمنٹ ہائی اسکول گیا" میں ہڈ مولوی ہیں۔ لیکن اُس زمانہ میں ملازمت کی بندشوں سے آزاد تھے۔ شعر وسخن کا مستقل مشغلہ جاری تھا۔ وہ اکثر دفتر ندیم میں تشریف لاتے اور لطفِ سخن سے محظوظ کرتے، دوسری طرف گیا کے صاحب ذوق، اہلِ علم رئیس جناب سید حسن امام صاحب حسن وارثی کی صحبتوں میں غزلیں سُنی سنائی جاتیں، کبھی مختصر مجلس کے مشاعرے ہوتے اور ایک آدھ مرتبہ ذرا بڑے پیمانہ پر مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی۔ جس میں گیا سے باہر کے اساتذہ کو بھی بلایا گیا۔ حضرت سریر اور راقم سطور کے باہمی تعلقات اسی زمانہ میں قائم ہوئے۔ اور آج وہ مراسم سے گذر کر بحمداللہ مخلصانہ بنیادوں پر استوار ہیں۔ حسن اتفاق سے انہیں باہمی صحبتوں میں حضرت سریر کے ذاتی و خاندانی حالات بھی کبھی کبھی علم میں آتے رہے۔ مناسب ہے کہ انہیں کام میں لایا جائے اور اس تقریب سے فائدہ اٹھا کر "شاہنامہ ہند" کے ناظرین کی دلچسپی کے لئے انہیں ذیل میں پیش کر دیا جائے۔

نام و نسب و وطن

محمد عباس نام، سریر تخلص۔ اور کابری نسبت وطن ہے۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ معروف بہ غوث اعظم قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ خانوادہ سادات کی اس شاخ کے اسلاف بہار میں موضع پڑراہی، سب ڈویژن سیتامڑھی، ضلع مظفرپور میں سکونت پذیر تھے۔ حضرت سریر کے جدامجد جناب سید شاہ

منظر علی مرحوم نے اپنی بُود و باش کے لئے ضلع گیا کے قصبہ کابر[1] کو منتخب کیا۔ حضرت سریرؔ اسی قصبہ کے اسی ذی علم خاندان میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "منظور علی" رکھا گیا۔ جس سے سال پیدائش ۱۳۰۶ھ قرار پاتا ہے۔

ابتدائی نشو و نما اور تعلیم و تربیت

حضرت سریرؔ نے ایک علمی و ادبی گہوارہ میں آنکھیں کھولیں، خصوصاً شعر و شاعری کا ذوق ان میں وراثتاً منتقل ہوتا آیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیرؔ و داغؔ اور انیسؔ و دبیرؔ کے زمزموں سے ہندوستان پُرشور تھا۔ لکھے پڑھے خاندانوں میں شعر و شاعری کے عام چرچے رہتے تھے۔ امیرؔ و داغؔ کی غزلوں پر غزلیں کہی جاتی تھیں، دوسری طرف انیسؔ و دبیرؔ کے مراثی کو اہل ذوق اپنے لئے کلام کا نمونہ بناتے تھے، حضرت سریرؔ کے والد ماجد جناب سید شاہ رستم علی صاحب مرحوم کو مرثیہ گوئی کا خاص ذوق تھا۔ ساری زندگی مرثیہ گوئی میں بسر کی۔ اور اپنے دَور کے معروف و باکمال مرثیہ گو سمجھے جاتے تھے۔ ان کے مراثی گیاؔ اور بہارؔ کے مختلف حلقوں میں ذوق سے سنے جاتے۔ اور عام طور پر پسند کئے جاتے تھے۔ انہیں اپنے مقامی ہمعصروں میں شان امتیاز حاصل تھی۔ تین سو ساٹھ[۳۶۰] بندوں کا ایک غیر منقوط مرثیہ دَست و برد زمانہ سے محفوظ ان کی یادگار باقی رہ گیا ہے۔

[1] کابر، ضلع گیا کا معروف قصبہ ہے۔ جو شہر گیا سے جانب مغرب قصبہ ٹکاری کے مضافات میں واقع ہے۔ گیا، اور مغل سرائے کے درمیان گرینڈ کارڈ کا ریلوے اسٹیشن اسمعیل پور، اس قصبہ سے متصل ۳، ۴ میل پر پڑتا ہے۔

سرؔیر کی ابتدائی نشو و نما اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کے دامنِ شفقت میں ہوئی۔ جب یہ ہونہار بچّہ کچھ اور پروان چڑھا، تو اس اثناء میں ان کے برادرِ معظم مولانا سیّد شاہ قمرؔ الدین صاحب مرحوم، مدرسہ انوار العلوم کان پور سے فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس آئے۔ اور یہیں اپنی مسندِ درس بچھائی اور حضرت سرؔیر کی تعلیم و تربیّت کے فرائض ان کے ذِمّہ عائد ہوئے۔ چنانچہ وہ ان کے حلقۂ درس میں زانوئے تلمّذ تہہ کر کے بیٹھ گئے۔ اور ان سے اس دَور کے فارسی نصابِ تعلیم میں قصائد عرفؔی و سہ نثر ظہورؔی تک سبقاً سبقاً درس لیا، مولانا شاہ قمرالدین بھی شاعر تھے۔ صالحؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کی طبیعت پر امیرؔ مینائی کی شاعری کا نقش تھا۔ اور وہ اسی انداز میں اپنا کلام مرتب کرتے تھے۔ مینائیؔ مکتب شاعری میں، تحقیق الفاظ و محاورات، شاعرانہ نکات، حُسن ترکیب، بندش اور ادبی و شعری نزاکتوں پر بحث و نظر کا پیدا ہونا، اور باہمی مذاکرے کرنا، فن میں حصول کمال کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ قصائد عرفؔی و سہ نثر ظہورؔی کے اسباق کے اثناء میں یہ مباحث خاص طور پر زیر بحث آتے تھے، جس سے حضرت سرؔیر کی نگاہ میں وسعت و امعان پیدا ہوتا گیا۔ اور شعر و شاعری کی جو فطرتی صلاحیت "وراثتہً" ان کے حصّہ میں آئی تھی، اس میں جِلا پیدا ہوتی گئی۔ اس بحث و نظر کا سلسلہ ایسا قائم ہوا کہ حلقۂ درس ہی میں وہ "فیضی دماغ" و "عرفؔی خصال" کے لقب سے بطور تفاؤل یاد کئے جانے لگے۔

اس طرح جب سرؔیر سِن شعور کو پہنچے تو اپنے والدِ مرحوم و برادرِ مرحوم کو نظم و غزل میں مستقل طور پر طبع آزمائی کرتے دیکھا۔ اور ان کے ان بزرگوں کی مشقِ سخن کے فیض سے بچپن ہی سے ان میں بھی شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ پھر "مکتبی بیت بازی" سے اس کا چسکا تیز تر ہوا۔ یہاں تک کہ جب فارسی درسیات سے فراغت حاصل کی، تو دوسری طرف شعر و شاعری کے فطری مذاق کی بھی تکمیل ہو گئی۔ اور قدرت کو یہی منظور ہوا کہ ان کی یہی شاعرانہ صلاحیتیں بروئے کار آئیں۔ اور ایک ایسے دور میں جب فن سے آشنا کم لوگ باقی رہ جائیں۔ اُردو شعر و ادب کی خدمتیں ان سے انجام پائیں۔

شاعری کی ابتدا

حضرت سرؔیر عنفوانِ شباب میں قصبہ کاکر سے شہر گیا میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ وہ فطری شاعر تھے۔ اور شاعر، شاعر ہوتا ہے۔ خواہ جس ماحول اور جیسی بھی شائستہ محفل میں ہو، کبھی اس پر "وحیِ رحمانی" کا نزول ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کی طبیعت ایسی مچلتی ہے کہ "زخرف القول" کی وحی من "بعض الیٰ بعض"[1] کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت ہوئی ہے۔

جناب سرؔیر ایک ایسی ہی بے تکلف مجلس میں حضرت اوؔج گیاوی مرحوم کی دکان پر

---

[1] وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ (سورۂ انعام)

بیٹھے تھے۔ حافظ محمد یعقوب اوجؔ، الٰہی بخش ایجادؔ، اور مجیب الدین ہجرؔ شریک مجلس تھے۔ گیا میں اوجؔ گیاوی کی کتابوں کی دکان پر شعروشاعری کے چرچے اور شعراء کے جمگھٹے اسی طرح رہتے تھے، جیسے لکھنؤ میں حضرت عشرتؔ لکھنوی کی دکان شعروشاعری کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ جناب سریرؔ اوجؔ کی دکان میں اپنے بے تکلف احباب کی صحبت میں بیٹھتے اور باہم شعروشاعری کے تذکرے جاری رہتے تھے۔ احباب کی اس مجلس میں جو فضا قائم رہتی۔ شائد اس کا مرقع جناب سید شاہ ولی الرحمٰن صاحب ولیؔ کا کوئی ذیل کی رباعی سے کھینچ سکے۔

اِک لُطف جدید ہر نفس لیتا ہوں ہاں لذتِ تکمیل ہوس لیتا ہوں

جو حُسن نظر پڑا نگاہیں سینکیں بھونرا ہوں کلی کلی کا رس لیتا ہوں

اوجؔ کی دکان میں یہ جمع ہونے والے "بھونرے" بھی تارِ نگاہ سے کلی کلی کا رس چُوستے اور مفال شیریں کشید کرتے تھے۔ اتفاق کی بات ایک دن سریرؔ اس دکان میں بے تکلف دوستوں کے درمیان اپنی محفل جمائے تھے۔ ناگاہ کوئی حُسنِ فتنہ گر سرِ راہ آیا، چند قدم آگے بڑھ کر اُس نے پلٹ کر اک دزدیدہ نگاہ ڈالی۔ دوستوں نے ایک دوسرے سے کہا فی البدیہہ بتاؤ۔ اس نے مڑکر کیوں دیکھا، احباب شعر موزوں کرنے کی فکر میں لگے تھے کہ نوجوان سریرؔ کی طبع رسا نے برجستہ جواب میں کہا ؎

گذر کر سامنے سے اس لئے پھر اس نے دیکھا ہے

گرا ہے یا نہیں وہ صید، جس پر تیر پھینکا ہے

ایجادؔ و اوجؔ و ہجرؔ تینوں اس فی البدیہہ شعر پر پھڑک اٹھے، دیر تک سر دھنتے رہے۔ اور دل کھول کر اس کی داد دی۔ ع سریرؔ نے اگرچہ فی البدیہہ شعر موزوں کر کے احباب کی مجلس میں گرمی پیدا کر دی تھی، لیکن در اصل ابھی تک انہوں نے کوچۂ شاعری میں ضابطہ کے ساتھ قدم نہیں رکھا تھا۔ اوجؔ و ایجادؔ نے یہ شعر سنکر انہیں مستقل طور پر طبع آزمائی کرنے کا مشورہ دیا اور یہ وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ شعر موزوں کر کے احباب کی مجلس میں سنانے لگے۔

گیا کی شاعرانہ فضا اور سریرؔ کی نشو و نما

ہندوستان کے اس دور میں شعر و سخن سے دلچسپی کی عام فضا پیدا ہو گئی تھی۔ سارا ادبی ذوق اسی میں سمٹ کر آگیا تھا۔ سماج ۱۸۵۷ء کے کٹھن سیاسی دور سے گذر رہی تھی۔ یاس و حرماں نصیبی کے جذبات پھیلے ہوئے تھے غم غلط کرنے کے لئے شاعری کے دامن میں سکون کی تلاش تھی۔ دل بہلانے والی ہلکی پھلکی شاعری

ع زمانہ کی بیرنگیاں کیسا انقلاب دکھاتی ہیں۔ ایک طرف سریرؔ کے عنفوان شباب کا وہ شعر تھا۔ دوسری طرف جب جوانی کی ترنگ ختم ہوئی تو پیری کی زباں یوں گویا ہوئی ؎

دل ہی نہیں، اب دل میں کہاں جوشِ تمنا ⁂ وہ شمع وہ سرگرمیٔ پروانہ نہیں ہے

پھر درِ میخانہ، و درِ توبہ کا امتیاز بھی نظر آیا ؎

یہ حشر سے پہلے تو کبھی بند نہ ہوگا ⁂ زاہد درِ توبہ، درِ میخانہ نہیں ہے

کو مقبولیت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ اور آئے دن مشاعروں کی مجلسوں سے ہندوستان کی شہری آبادیوں کی فضا گونج رہی تھی۔ شعرائے متوسطین کا دور ختم ہو چکا تھا اور اردو شاعری اپنے آخری دور میں قدم رکھ چکی تھی، اس دور کے آسمانِ سخن پر امیرؔ و داغؔ، آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے تھے اور انکی ضیاپاشیوں سے ملک کا گوشہ گوشہ جگمگا رہا تھا، شعر و سخن کا مذاق اُردو شاعری کے مراکز دہلی، لکھنؤ اور عظیم آباد سے گذر کر مضافات کے شہروں میں بھی پھیل چکا تھا۔ شہر گیاؔ، عظیم آباد کے پہلو میں آباد ہے۔ اس زمانہ میں شعر و شاعری کی بساط یہاں بھی بچھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے قادر الکلام شعراء یہاں بیٹھے مشقِ سخن میں مصروف تھے۔ حسنِ اتفاق کہ ان دنوں سرتاجِ سخن حضرت امیر مینائی کے تلمیذ حضرت کوثرؔ خیر آبادی کے مستقل قیام سے شہر گیا کو عزت حاصل تھی۔ اور سحرؔ کے یارانِ میکدہ اوجؔ، ایجادؔ و سحرؔ اس سرچشمہ سے سیراب ہونے لگے۔ سحرؔ نے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا اور انہی جرعہ کشوں کی مجلس میں آ بیٹھے۔

حضرت امیر مینائی کے تلامذہ میں سے جلیلؔ مانک پوری، کوثرؔ و ریاضؔ خیر آبادی اور حفیظؔ جونپوری اپنے سب خواجہ تاشوں پر سبقت لیگئے۔ ان میں سے حضرت کوثرؔ خیر آبادی کو یہ فخر حاصل تھا کہ خود امیرؔ مینائی کے دل میں ان کا غیر معمولی عزّ و وقار قائم تھا۔ اور ان کے اثر و محبوبیت کا انہیں اعتراف تھا۔ حضرت جلیلؔ آگے چل کر امیرؔ کے جانشین قرار پائے۔ لیکن وہ جلیلؔ کے متعلق کوثرؔ کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جلیلؔ دور جانا نہیں چاہتے، ورنہ دکن میں ان کا نوکر رکھوانا ممکن تھا..... ان کی علحدگی کو اپنی بدقسمتی جانتا ہوں۔ مگر مجبوری گوارا کرتا ہوں، بشرطیکہ اسی جوار یعنی

تُرب وطن میں ان کے بسر اوقات کی صورت نکلے، چونکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ اس جوار میں عموماً لوگ تمہارے معتقد ہیں، خصوصاً احمد علی خاں صاحب کو بہت ہی تمہارا لحاظ ہے تم تہہ دل سے کوشش کرو گے تو جلیل کامیاب ہو جائیں گے۔ لہٰذا بہت ہی اصرار سے لکھتا ہوں کہ سرگرم حاجت روائی ہو جیے، زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ آپ خود مجمع صفات حمیدہ ہیں ... ... میں بہت منتظر رہوں گا کہ کب آپ احمد علی خاں صاحب کا خط مشعر طلب جلیل بھیجیں گے۔ تعمیل و تکمیل کے ساتھ کوشش کیجیے[۱]،،

اس زمانہ میں گیا میں ماہانہ مشاعرہ بڑے اہتمام سے ہوتا تھا۔ کوثر گیا سے اپنی غزلیں استاذ کے پاس پابندی سے اصلاح کے لئے بھیجتے تھے اور حضرت امیرؔ وقت کی پابندی کے ساتھ غزل لوٹاتے تاکہ مشاعرہ میں پڑھی جا سکے۔ کوثرؔ کی یہ غزلیں گیا کے مشاعرہ پر چھا جاتی تھیں۔ حضرت امیرؔ کلام پر اصلاح دینے کے ساتھ "وجوہِ اصلاح" بھی لکھ دیتے تھے۔ اگر کسی جگہ کوثرؔ کی تشفی نہیں ہوتی، تو جواب میں اپنے شکوک لکھ بھیجتے اور بعض اوقات حضرت امیر مینائی کو کسی علمی و ادبی نکتہ میں اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑتا تھا، ایک موقع پر فرماتے ہیں :-

"موتی کی لڑی کی سند آپ نے ایسی دی ہے کہ اب میں اس میں کلام نہیں کر سکتا۔ جنہوں نے مجھ کو منع کیا تھا، جب انہی کے یہاں موجود ہے، تو مجھے کیا تامل ہو سکتا ہے[۲]۔"

کبھی ایسا ہوا کہ استاد اور شاگرد کے اشعار متوارد ہو گئے۔ حضرت امیرؔ فرماتے ہیں :-

"آپ کے اس دو غزلے میں بعض شعر مجھ سے متوارد ہو گئے ہیں۔ تو جو دو ایک شعر میرے

[۱] مکاتیب امیر مینائی صفحہ ۱۲۵ / ۱۲۶ [۲] " ص ۱۳۱ [۳] " ص ۱۵۱

اختیار سے باہر ہو چکے تھے۔ وہ بمجبوری نہایت یہاں سے نکال ڈالے۔ اور جن اشعار نے شہرت نہیں پائی تھی، ان کو اپنے یہاں سے نکال ڈالا" (مکاتیب امیر مینائی ص۱۵۱)

سہر یہ شاعری کا قلم سنبھالتے ہی دربار امیری کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوئے۔ اور کوثر جیسے ماہر فن نشان بردار کی رہنمائی کا فیض انہیں حاصل ہوا۔ جس سے چند ہی دنوں میں ان کی نگاہ اونچی ہو گئی اور مشاعروں اور شعر و سخن کے رسالوں میں ان کے اشعار سننے اور پڑھے جانے لگے۔ جس سے اس نوجوان شاعر کی ہمت بلند ہوئی اور مستقل طور پر مشق سخن جاری ہو گئی۔

یوں تو گیا کے مشاعروں کی تفصیلات کی دلچسپ داستانیں کبھی کبھی بعض اہلِ ذوق سے سننے میں آئی ہیں۔ منشی احمد علی عشرت گیاوی، مولانا فصیح احمد حشر بنیھوی، قاضی سید مظاہر آلام سید آبگلوی وغیرہ سن رسیدہ شعراء اور شفق عماد پوری، ایجاد، ہجر، اوج گیاوی، سہر یہ کابری، مقبول آبگلوی، مقصود گیاوی اور بسمل سنسہاروی وغیرہ اس دور کے نوجوان شعراء تھے، جن سے بزم کی رونق دوبالا ہوتی رہی۔ گیا کے مشاعروں کا آخری دور وہ رہا ہے، جب جناب سید حسن امام صاحب وارثی، جناب جگیشر پرشاد خلش گیاوی اور جناب اودھ کشور گشتہ گیاوی وغیرہ نے پرانی محفلوں کی یاد تازہ کی۔ پھر ماہانہ مشاعرے جاری ہوئے۔ اور "بزم سخن" کے نام سے ماہانہ گلدستہ حضرت خلش کی ادارت میں گیا سے جاری ہوا۔ جس میں اگلے دور کے نوجوان، اور پچھلے دور کے ممتاز شعراء سید محمد عباس، سہر یہ کابری، مولانا سید مقبول امام مقبول آبگلوی، حضرت بسمل سنسہاروی وغیرہ کے

شاگردوں سے مشاعروں کی رونق قائم ہوئی۔ اور معلوم نہیں کتنے نوجوان شعراء نے قلم سنبھالنا سیکھا اور ان کی مشق سخن جاری ہوگئی۔

سریر اب اساتذہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے۔ ان کی غزلیں، ان کی غزلوں کے پہلو میں چھپنے لگیں اور اساتذہ سے خراج تحسین وصول کرنے لگے۔

سلسلۂ تلمّذ

پچھلے دور میں اساتذہ کا یہ طریق بھی جاری تھا کہ وہ اپنے نومشق شاگردوں کی تربیت کی خدمت اپنے کہنہ مشق تلامذہ کے سپرد کرتے تھے۔ حکیم سیّد عابد علی صاحب کوثر خیرآبادی مرحوم نے جناب سریر کا ہاتھ بھی اپنے لائق تلمیذ جناب شفق عماد پوری کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور جناب سریر کو اعتراف ہے کہ انہوں نے حضرت شفق سے بہت کچھ سیکھا۔ اسی اثناء میں حضرت کوثر خیرآبادی کے گیا کے قیام کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ سریر کو شاعری کا پورا چسکا لگ چکا تھا، اس زمانہ میں حضرت شمشاد لکھنوی صدر اساتذہ مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور کی شہرت کا آفتاب بھی طلوع ہوچکا تھا۔ بڑے بڑے باکمال ان کے فضل و کمال کے اعتراف میں ان کے آگے سر جھکا چکے تھے۔ جناب سریر نے بھی ان سے شرف تلمّذ حاصل کیا۔ اور ڈھائی سال تک ان سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔

لیکن سریر کا کوثر خیرآبادی سے جو سلسلۂ تلمّذ قائم ہوا، اس کی نسبت سے دربار امیری سے سریر کی محبت کی گرہ استوار رہی۔ چنانچہ حضرت کوثر کی وفات کے بعد وہ حضرت امیر مینائی کے جانشین حضرت

جلیل مانک پوری کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور پھر سرؔیر انہی کے خوانِ کرم کے مستقل زلّہ ربا بنے رہے۔ اور بیس برس تک مسلسل ان سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔

کلام کی عام اشاعت اور لقب "بلبلِ بہار"

حضرت جلیل کا قیام حیدر آباد میں تھا۔ انہیں نظام دکن کے استاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اور ان کی ادارت میں حیدر آباد دکن سے ایک ادبی گلدستہ "محبوب الکلام" شائع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ اپنے دور میں اُردو شعر و شاعری کے ترجمان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس گلدستہ میں حضرت سرؔیر کی سب سے پہلی غزل ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ پھر جب تک یہ ماہانہ گلدستہ جاری رہا۔ اس میں وقتاً فوقتاً ان کی غزلیں شائع ہوتی رہیں۔ اور ملک کے ممتاز اساتذہ سے خراج تحسین وصول کرتی رہیں۔ پھر خود استاد نے نگاہِ شفقت ڈالی۔ شاگرد کی طبع رسا اور فن سے مناسبت کی قدر دانی کی۔ چنانچہ بارگاہِ جلیل جانشین امیر مینائی سے شعر و سخن میں اعتراف کمال کے طور پر حضرت سرؔیر کو "بلبل بہار" کے لقب سے یاد کیا گیا۔ اور اس عہد کے معیاری ادبی رسائل تحفۂ خوشتر گورکھپور اور جلوۂ یار میرٹھ میں اس لقب سے مشرف ہونے پر سرؔیر کی خدمت میں تہنیت پیش کی گئی اور مبارکباد کے مکاتیب ان میں شائع کئے گئے۔ شاعری کی ایک بڑی بارگاہ سے یہ خطاب عطا ہوا تھا۔ اس لئے سرؔیر کے ہمعصروں نے بھی اس کی قدر کی۔ سر تسلیم خم کیا۔ اور اس خطاب سے ان کو ملقب کرتے رہے۔ حضرت سرؔیر ایک مقطع میں کہتے ہیں ؎

لکھتے ہیں اے سریر بھی بلبلِ بہار" ؎ سیماب و وحشت و جگر و آرزو تجھے

اس طرح سریر کی کاوشِ فکر اُس عہد کے مشہور ادبی گلدستوں، عطرِ سخن و روحِ سخن کے صفحوں میں نمایاں امتیاز سے شائع ہوئی اور یہ اپنے عالمِ شباب ہی میں آسمانِ سخن پر ایک درخشندہ ستارہ بن کر چمکے۔ چنانچہ آج سے چالیس برس قبل جب لالہ سری رام ام، اے نے اپنا ضخیم تذکرہ "خمخانۂ جاوید" شائع کیا تو انہوں نے اس کو حضرت سریر کے ذکرِ خیر سے خالی نہ چھوڑا۔

بزرگ و ہم چشم معاصرین کا اعتراف

سریر ان چند خوش قسمت باکمالوں میں سے ہیں جن کے کمال کا اعتراف "المعاصرة والمنافرة" کے برعکس ان کے معاصرین نے بڑی کشادہ دلی سے کیا ہے۔ مولانا سید ظہیر احسن شوق نیموی کی وفات پر ان کی تعزیت میں پٹنہ میں ایک تعزیتی مشاعرہ کی مجلس منعقد ہوئی۔ سریر نے بھی اس میں اپنا کلام سنایا۔ حضرت شاد عظیم آبادی مشاعرہ میں رونق افروز تھے انہوں نے سریر کا کلام سن کر برسرِ عام ان الفاظ میں دادِ سخن دی کہ

"بہار سے ایک شاعر (نیموی) اٹھ گیا — ایک شاعر (کابری) پیدا ہوا"

سراج بلڈنگ کلکتہ میں حضرت آرزو لکھنوی کی صدارت میں مجلسِ مشاعرہ منعقد ہوئی۔ سریر کے کلام پر آرزو نے ذیل کے لفظوں میں تنقید کی:

"امیر مینائی کا رنگ زمانہ کے ہاتھوں مٹ رہا تھا۔ لیکن جلیل نے مٹنے نہ دیا۔ اب مجھے

سحرؔ پر سے توقع ہے کہ اس زمانہ میں انہی کے ہاتھوں سے وہ رنگ قائم رہے گا۔"

۱۹۴۲ء میں حضرت سحرؔ کو ایک سلسلہ میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ نج کی ایک مجلس میں جس میں حضرت بیخودؔ دہلوی اور مخدومی مولوی ڈاکٹر عبدالحق صاحب مدظلہٗ بھی شریک تھے۔ سحرؔ نے اپنا کلام سنایا۔ کلام سن کر بیخودؔ کی زبان سے نکلا "ان کو بہاری کون کہے گا؟" مولوی عبدالحق صاحب نے فرمایا:۔

"بہار میں آج بھی باکمال ہستیوں کی کمی نہیں۔ میں ناقد ہوں، شاعر نہیں۔ ایسے ترشے ہوئے الفاظ داد کے لئے کہاں سے لاؤں، جو ان کی شاعری کیلئے واقعی موجب تحسین ہوں۔"

لکھنؤ اگر کسی باکمال کو مانتا بھی ہے، تو اس کا اعتراف بڑی دشواریوں سے کرتا ہے۔ اسی سال ۱۹۵۴ء میں انجمن فردوس ادب لکھنؤ کی خصوصی دعوت پر حضرت سحرؔ لکھنؤ کے مشاعرہ میں شرکت کے لئے گئے۔ لکھنؤ اور اس کے مضافات کے تقریباً دو ڈھائی سو ممتاز شعراء اس مشاعرہ میں جمع ہوئے حضرت قدیرؔ، سراجؔ، اثرؔ اور افقرؔ جیسے سخنوران وقت موجود تھے۔ مشاعرہ کے قدیم آداب و ضوابط میں یہ داخل سمجھا جاتا ہے کہ استاذ فن کے سامنے سب سے آخر میں شمع لائی جائے۔ لکھنؤ نے اپنی مہمان نوازی کا ثبوت دیا، اور اساتذہ کے اصرار سے مشاعرہ میں شمع سب سے آخر میں سحرؔ کے سامنے لائی گئی۔ پھر مشاعرہ کے خاتمہ کے بعد اساتذہ کی صحبت خاص منعقد ہوئی۔ سحرؔ سے

اصرار پر اصرار جاری رہا۔ اور وہ اپنا کلام سناتے اور سخن فہم اساتذہ سے داد تحسین لیتے رہے۔

حضرت فراق گورکھپوری دہلی کے ہندی صحیفہ "آزاد ہندوستان" کی اشاعت مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۵۵ء میں لکھتے ہیں:۔

"میں گیا کالج کے مشاعرہ میں گیا، تو اس میں ایک معمر بزرگ جو بظاہر معمولی حیثیت کے آدمی، لیکن اپنی شاعری کے لحاظ سے بہت اونچی حیثیت کے مالک، اور بلند پایہ شاعر سریر صاحب بھی شریک تھے۔ ان کے طرحی و غیر طرحی دونوں کلاموں کو سنکر میں حیرت میں ڈوب گیا۔ اور سوچنے لگا کیا میں ایسی اُردو لکھ سکتا ہوں؟ ہرگز نہیں! میں کیا ہندوستان نہ پاکستان میں لکھنؤ و دہلی سے لیکر لاہور تک ایسا کہنہ مشق قادر الکلام شاعر شاید و باید ہوگا۔"

شعرا تعلیاں لینے کے خوگر ہوا کرتے ہیں، لیکن حضرت سریر کا یہ ارشاد کس قدر حقیقت حال کا ترجمان ہے کہ ؎

بعد دورِ شاد و آزاد و صفیر — ملک میں روشن ہوا نام سریر

شاعری

سریر، فطری و موروثی شاعر ہیں۔ وہ شعر و سخن کے لئے موزوں طبیعت لیکر آئے۔ اُن کے کلام میں نازک خیالی کے ساتھ شکوہ الفاظ کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ ان کے کلام کا حسن، مضمون کی نزاکت، بندش کی چُستی اور لفظوں کو پہلو بہ پہلو جڑنے سے آراستہ ہے۔

سرؔیر، جلیلؔ و کوثرؔ کے مینائے سخن کے متوالے جرعہ کش ہیں۔ امیرؔ و داغؔ کے موازنہ میں امیرؔ کا یہ مایہ نازامتیاز سمجھا جاتا ہے کہ ان کے اشہبِ قلم کی جولانگاہ صرف غزل کی زمین نہیں، دیگر اصنافِ سخن پر بھی انہیں یکساں عبور حاصل تھا، حضرت سرؔیر نے بھی تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور اہلِ نظر سے خراج تحسین وصول کیا۔

اُردو شاعری میں امیرؔ و مرزاؔ سے جس دَور کا آغاز ہوا، سرؔیر اس کے شاید آخری لعل شبچراغ ثابت ہوں۔ اب نیا زمانہ ہے۔ اور شاعری کے نئے اطوار ہیں۔ شعراء کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن فن کے مسائل پر عبور رکھنے والے اساتذہ خال خال باقی رہ گئے ہیں۔ شعراء لفظوں کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں اور اساتذہ لفظوں کو ہاتھ میں رکھتے ہیں، موقع موقع سے انہیں جڑتے ہیں اور کلام میں شکوہ اور لطف پیدا کرتے ہیں، شاید وہ زمانہ بھی آجائے کہ ان اساتذہ کے فن کے قدرداں باقی نہ رہ جائیں۔ اب نیا دور ہے، نئی شاعری ہے، نیا ذوق ہے، نئے خیالات ہیں اور نئے وضع کے مشاعرے ہیں جن کے نئے طریقے ہیں۔ اب شمعیں شاعروں کے پاس نہیں۔ شاعر شمعوں کے پاس جاتے ہیں۔ پرانے اصول ایک ایک کر کے مِٹ رہے ہیں اوزان میں کمی بیشی ہو رہی ہے۔ بحروں میں بھی تلاطم جاری ہے ۔۔ اِس دَور میں اگر صحبت شب کی جلی ہوئی کوئی شمع کہیں اگر اپنی عمر کی آخری بہاریں دکھانے کے لئے ہمارے درمیان روشن ہو تو ہمیں اس کے ہر نارِ نفس کو غنیمت جاننا چاہیئے کہ ابھی ہمارے

نوجوانوں کیلئے قدیم شاعری اور اس کے فن سے لگاؤ پیدا کرنے اور اس کو سمجھنے کا موقع حاصل ہے،
خصوصاً اس لئے بھی کہ اُدھر سرؔیر کی شاعری میں قدیم و جدید کا دلچسپ امتزاج پیدا ہو گیا ہے۔ ان
کے کلام میں ایک طرف امیرؔ و جلیلؔ و کوثرؔ کے کامیاب اتباع کی شان موجود ہے، تو دوسری طرف
اِن کی نظموں میں اُردو شاعری کے جدید رجحان کی بھی آمیزش ہو گئی ہے۔ خصوصاً ان کی جو نظمیں تصویر
و مرقع پر "ندیم" گیا وغیرہ میں چھپتی رہی ہیں، نوجوانوں کے لئے ان میں غیر معمولی کشش پیدا ہو سکتی ہے
کہ ان کے موئے قلم سے گویا وہ بولتی تصویریں بن گئی ہیں۔ اور سرؔیر کا کلام قدیم شاعری اور اس کے
جدید رجحان دونوں سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔

تصنیفات

حضرت سرؔیر کی مشق سخن پر نصف صدی سے بالا مدت گزر چکی ہے۔
ان کی پہلی غزل جیسا کہ اُوپر گذرا ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء میں "محبوب الکلام" حیدرآباد، دکن میں شائع
ہوئی تھی۔ اس کے بعد تقریباً پنجاہ سالہ مدت میں ان کے کلام بیسیوں رسالوں اور گلدستوں میں چھپے۔ اور مسلسل
نظمیں، مستقل رسائل بن نکلیں اور غزلوں اور نظموں کے مجموعے علحدہ علحدہ طبع ہوئے۔ ان کی تصنیفات
کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے:-

سرؔیر کا سب سے پہلا مرتب دیوان "نظم دلفگار"[1] کے عنوان سے ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں طبع ہوا۔ اس کے
بعد "صبح انقلاب"[2] کے نام سے ۱۹۴۵ء میں ان کی نظموں کا مجموعہ منظر عام پر آیا۔ اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

ان کا دوسرا دیوان موسوم بہ "خیابانِ سخن" (۱۳۷۴ھ) جلد ہی اشاعت پذیر ہونے والا ہے۔ اسی طرح "محشرِ انقلاب" ان کی سیاسی ادبی، اخلاقی، و مذہبی نظموں کا دوسرا مجموعہ مرتب ہوا ہے۔ اور اب یہ **شاہنامۂ ہند** ان کے اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی ہے۔

شاہنامۂ ہند فردوسی کے شاہنامہ سے ایک خاص صنف کی نظم میں قوموں کے کارناموں کو قلمبند کرنے کا رواج ہوا۔ فردوسی نے عجمی سطوت کا نقشہ کھینچا۔ جہاں عربوں سے ان کے ٹکرانے کا ذکر آیا، عربوں کی بے نظیر شجاعت کو مدھم کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو "تاریخ عمری یا عمر نامہ" بجواب شاہنامہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ کیانی و ساسانی، داستانِ سطوت پر ضرب لگائی جاسکے۔ اور کیانی سطوت کے یادگار فرشِ بہار کی دھجیاں مدینہ کی گلیوں میں اڑاتی دکھائی جائیں۔ لیکن شاہنامہ فردوسی کے جواب میں جو کتابیں لکھی گئیں۔ ان سے اس کی شہرت کو زوال نہ آسکا۔ اور ایشیا اور یورپ کے مستشرقین کی نگاہ میں آج بھی اس کی قدر و منزلت اپنی جگہ برقرار ہے صدیاں گذرنے کے بعد جب اسلام کے مفاخر کی داستان کے اردو نظم میں قلمبند ہونے کی نوبت آئی تو حفیظ جالندھری نے اس کو "شاہنامہ اسلام" ہی کے نام سے موسوم کیا۔ اور جب اس راہ پر چل کر سرمہ کابری کو ہندوستان کی سطوت و عظمت کا گیت گانے کا خیال پیدا ہوا، تو انہوں نے بھی اس کو "شاہنامہ ہند" کے نام سے موسوم کیا۔

"شاہنامہ ہند" کے بعض اجزاء کو حضرت سریر کی زبان سے سننے کا اتفاق ہوا۔ اور چند جزوں کے فرمے ابھی چند دن ہوئے نگاہ سے گذرے۔ حمد و نعت و منقبت کے بعد "سببِ تالیف" میں فرماتے ہیں:۔

سُنے فردوسی و محمود کے جب کہنہ افسانے
کہا مجھ سے عزیزانِ رضا جو صبر و صہبا نے

کیا طوسیٔ عالی فکر نے ایران کو زندہ
کریں اپنے قلم سے آپ ہندوستان کو زندہ

قلم سے کام لیجئے شوکتِ نو و کہن لکھئے
مکمل سرگذشتِ حکمرانانِ وطن لکھئے

یہ سنکر میرے دل میں بھی ہوا اک ولولہ پیدا
باایں بے سازوسامانی ہوا یہ حوصلہ پیدا

اس کے بعد وزیر تعلیم حکومت ہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد متعنا اللہ بطول حیاتہ کی خدمت میں عرض حال پیش کی گئی ہے جس میں پردۂ خواب خیالی میں فردوسی کا یہ بیان قلمبند کیا گیا ہے:۔

کہ فردوسی بیاں کرتا ہے یہ باصد پشیمانی
نہ راس آئی مجھے آتش پرستوں کی ثنا خوانی

صلہ پایا نہ کچھ محمود کی سرکار والا میں
صدف کی طرح میں پیاسا رہا دامانِ دریا میں

تجھے موقع ہے اے ناداں مقدر آزمائی کا
صلہ بھرپور تو پائے گا اپنی جبہ سائی کا

پھر لکھتے ہیں:۔

عجب کیا ہے کہ وعدہ غزنوی کا تو وفا کر دے ۔۔۔ مرے اس خاک کے تودے کو طومارِ طلا کر دے

یہ اصرار مجھ سے آج یارانِ طریقت کا ۔۔۔ کہ لکھوں شاہنامہ ہند کی مُسلم حکومت کا

مگر رہ رہ کے کہتی ہے یہ طبع ناتواں مجھ سے ۔۔۔ کہ تنہا اٹھ نہیں سکتا ہے یہ بارِ گراں مجھ سے

توجہ شرط ہے، پھر شوق پورا ہو ہی جاتا ہے ۔۔۔ سہارا چاہیے پھر بوجھ ہلکا ہو ہی جاتا ہے

جہانِ ماہ و انجم میں بھی لہرائے عَلَم تیرا ۔۔۔ قلم میرا رہے لیکن رہے دستِ کرم تیرا

پچھلے دور میں جب شخصی حکومتیں قائم تھیں، ادبا، و شعرا قدردان سلاطین و وزرا کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور صلہ پاتے تھے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے موجودہ جمہوری دور میں بھی ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ جناب سرتیہ نے اپنی بے مائگی کے باوجود اس کی طبع و اشاعت کا سامان مہیّا کیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ یہ "بارِ گراں" کسی "سہارے" کے بغیر ان سے "تنہا اٹھ نہیں سکتا"۔ توقع ہے، کہ حضرت مولانا مدظلہٗ کی ادنیٰ سی "توجہ" ان کے "بوجھ کو ہلکا" کر سکے گی۔ اور مرکزی حکومتِ تعلیم نے جہاں بہت سے ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ حضرت سربیر کے خدمات کی بھی قدر دانی کر کے حوصلہ افزائی کرے گی۔

"شاہنامہ ہند" کے علمی وادبی محاسن پر دوسرے اہلِ نظر نے نقد ونظر کی خدمت انجام دی ہے۔ اور اس کے شعری محاسن کو اُجاگر کیا ہے۔ اگر ان کے ماخذ میں "تاریخ فرشتہ" کے علاوہ ہندوستان کی بعض دوسری مستند تاریخیں بھی ہوتیں تو زیادہ بہتر ہوتا، بایں ہمہ شاعر نے خشک تاریخی حوادث کا مرقع جس رنگین طرزِ ادا میں شاعرانہ نزاکتوں، استعاروں اور لطافتوں کو برقرار رکھ کر تیار کیا ہے۔ اور رزم وبزم کے جدا جدا نقشوں میں حسب حال جیسا رنگ بھرا ہے وہ اس کے صاحب کمال ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن اگر کسی جگہ کوئی محل نظر روایت بھی آگئی ہے تو کتاب کے شاعرانہ محاسن شاید اُدھر نگاہ ڈالنے کا موقع نہ دے سکیں۔

آخر میں ہم حضرت سریرؔ کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ ان کی اس تصنیف کا سلسلہ ان کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ اس کو حُسنِ قبول عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا الحمد للّٰہ رب العالمین۔

سیّد ریاست علی ندوی
مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ
۱۵ / جون ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مصنّف

"شاہنامہ ہند" کی پہلی جلد مرتب ہو چکی تو اس کو منظرِ عام پر لانے کی فکر ہوئی۔ بارے میرے محترم دوست مولوی محمد عبد الغنی عزیزی اڈیٹر کرن گیا کی نکتہ رس نگاہ اس پر پڑی اور انہوں نے اپنے رسالہ میں قسط وار شائع کرنا شروع کیا۔ بحمد اللہ کہ اہل علم حضرات نے اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور جلد سے جلد طبع کرانے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن اسباب کی عدم فراہمی کے باعث قدردانوں کی خواہش کی تکمیل فوری طور پر نہ ہو سکی۔

حسن اتفاق سے جناب مولوی **عبد الرؤف** صاحب رئیس ملکی سے ملاقات ہو گئی، جو اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث صوبہ میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ خود بھی صاحب علم و فضل ہیں۔ اور قدر شناسِ صاحبان علم و فن بھی۔ چنانچہ جونہی "شاہنامہ ہند" کی طباعت میں تاخیر کے اسباب کا حال ممدوح پر منکشف ہوا۔ ان کی ملّی حمیت جوش میں آگئی۔ اور طباعت کا سارا بار اپنے سر لے لیا ع "لٹاتا ہے جو موتی، دل کا دریا ہو ہی جاتا ہے"۔ خدا ان کی عمر میں برکت دے جن کی شاہانہ فیاضیوں کی بدولت "شاہنامہ" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس سلسلے میں اپنے دو کرمفرماؤں جناب مولوی زکی صاحب انجینئر پی۔ ڈبلو۔ ڈی اور جناب بابو مشتاق علیخاں صاحب رئیس بجھارہ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے "شاہنامہ" کی طباعت کے سلسلے میں قدر افزائی فرمائی تھی۔

دو چار اشعار میں ایطا کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ سیماب۔ اقبال۔ اور جوش کی تقلید کی گئی ہے۔ ؎

غلام ہمّت آں مخلصانِ با کرمم ❖ کہ یک صواب نبینند و صد خطا بخشند

دوسری جلد میں قطب الدین ایبک سے لیکر جلال الدین اکبر تک کے واقعات ہوں گے۔ اور تیسری جلد میں جہانگیر سے لے کر بہادر شاہ ظفر، انگریزی حکومت، جنگ آزادی میں مسلمانوں کی جد و جہد، ٹیپو سلطان، معرکۂ اودھ، مولانا محمود الحسن مالٹا، شہیدان دریائے عبور، شور اور اصحاب صادق پور وغیرہم کی تصویریں ہوں گی۔

"فقیر سمر بیر"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

الٰہی ہے دو عالم میں فقط تیری شہنشاہی
حکومت کا تری سکّہ رواں از ماہ تا ماہی

عطا کی تُو نے سلطانی بھی بخشی بینوائی بھی
ترا ادنیٰ کرشمہ بادشاہی بھی گدائی بھی

کئے کیا کیا نہ دعوےٰ تیرے بندوں نے خدائی میں
نہ آیا فرق لیکن تیری شانِ کبریائی میں

دیا اورنگ شاہی تُو نے خاکستر نشینوں کو
گرایا خاک پر اوجِ ثریا کے مکینوں کو

جو ہیں بیزار تجھ سے اُن پہ بھی بندہ نوازی ہے
تری جو بات ہے شایانِ شانِ بے نیازی ہے

حرم تو نے بنائے توڑ کر کتنے صنم خانے
پروئے رشتۂ زنّار میں تسبیح کے دانے

کیا روشن کنول ظلمت کدہ میں نُورِ ایماں کا
بنا قشقہ جبینِ کفر پر خونِ مسلماں کا

بنی آدم کو از راہِ شرف اپنی خلافت دی
شرافت دی، شجاعت دی، حکومت دی، امارت دی

ہوا جب موجزن دریا تری بندہ نوازی کا
تو پھیلا ہر طرف سیلاب طوفانِ حجازی کا

نوازش نے تری ذرّے کو سورج کر کے چمکایا
عنایت نے تری قطرے کو دریا کر کے دکھلایا

بنہِ دریا گہر سے مُنہ صدف کا بھر دیا تُو نے
دیا جس کو جو دینا تھا، جو چاہا کر دیا تُو نے

تری شانِ حکومت ساری دنیا سے نرالی ہے
تری سرکار یکتا غیر کی شرکت سے خالی ہے

ترے دلدادہ مفلس، اغنیا بھرتے ہیں دم تیرا
شہنشاہ و گدا دونوں پہ یکساں ہے کرم تیرا

مُسلمانوں کو دے پھر شوکتِ تختِ سلیمانی
عنایت اُن کو فرما ازسرِ نو جوششِ ایمانی

دِکھا دے پھر کرشمہ اپنی شانِ کبریائی کا
اِدھر پھر اِک عنایت کی نظر صدقہ خدائی کا

ہوئے ہیں جرم جتنے اُن سے ناداری کے پردے میں
چھپا لے اُن کو تو دامانِ ستّاری کے پردے میں

کہیں ایسا نہ ہو دنیا سے تیرا نام مٹ جائے
تری توحید مٹ جائے ترا اسلام مٹ جائے

یہ سر چھوڑیں کلیسا میں کہ بُت خانے میں مر جائیں
ترا دَر چھوڑ کر آخر کہاں جائیں کِدھر جائیں

نعت و منقبت

عرب کا ذرہ ذرہ چھا گیا اقصائے عالم پر
زمیں پر تھے قدم پڑتا تھا لیکن عرش اعظم پر

جو لے آتا تھا جذبہ اس کے در پر جبہہ سائی کا
گماں جبریل کو ہوتا تھا عرشِ کبریائی کا

لبوں پر مُہرِ خاموشی، ہجومِ آرزو دل میں
گروہِ قدسیاں تصویرِ حیرت اُس کی محفل میں

فرشتوں کا شہیدِ لذّتِ تقریر ہو جانا
جو کچھ ارشاد کرنا خلق کی تقدیر ہو جانا

نہ ہوتی کس طرح تقدیرِ خاص و عام مُٹھّی میں
کہ تھا سارا نظامِ گردشِ ایّام مُٹھّی میں

سبق ہر جنبشِ لب پر فروغِ زندگانی کا
دیا اِک نسخۂ نادر حیاتِ جاودانی کا

ہوئی دنیا نئی سارے زمانے کا چلن بدلا
چمن کی ہر روش بدلی، ہوا بدلی، چمن بدلا

سرِ عجز و اطاعت خم کئے ہر ترک و تازی نے
دکھائے یہ کرشمے فاقہ مستانِ حجازی نے

کچھ ایسا سج گیا ہر رنگ کے پھولوں کا گلدستہ
تمدن کی ملیں راہیں، ترقی کا کھلا رستہ

بڑھیں لے کر علم تہذیب انسانی کی تصویریں
ہوئیں پامال جن سے قیصر و کسریٰ کی تعمیریں

صداقت نے لیا دنیا کو آغوشِ اخوت میں
فلاکت نے بڑھائے پاؤں میدانِ حکومت میں

ہوئی توحید کی قندیل روشن مصر و ایراں میں
دکھا دی قوّتِ نانِ جویں خیبر کے میداں میں

یکایک دفترِ رسم و رواج ما سبق الٹا
ہوائے انقلاب آگئیں دنیا کا ورق الٹا

بچھائے جذبۂ حسن الٰہی کے نئے پھندے
کھڑے اللہ کے آگے ہوئے اللہ کے بندے

بڑھا اتنا جہادِ فی سبیل اللہ کا جذبہ
کوئی خنجر بکف نکلا، کوئی سینہ سپر نکلا

لہو سے کھیتیاں سینچی گئیں دینِ الٰہی کی
کہ جس نے اینٹ سے اینٹیں بجا دیں قصرِ شاہی کی

کیانی مٹ گئے، زردشتیوں پر پھر گیا پانی
نہ سلجوقی رہے باقی، نہ ساسانی، نہ یونانی

حرم کی شمع چمکی، بتکدے کی طاق ویراں پر
عرب کی روشنی پھیلی، عجم کے قصر و ایواں پر

زمانہ لایا ایماں عز و شانِ کبریائی پر
خدا کا پاک بندہ چھا گیا ساری خدائی پر

ضیا پھیلی ہوئی تھی جس کی دامانِ رسالت میں
فروزاں ہو گئی وہ شمع فانوسِ خلافت میں

سببِ تصنیف

سُنے فردوسیؔ و محمودؔ کے جب کہنہ افسانے
کہا مجھ سے عزیزانِ رضا جو صابرؔ[1] و صہباؔ[2] نے

کیا طوسیؔ عالی فکر نے ایراؔن کو زندہ
کریں اپنے قلم سے آپ ہندوستان کو زندہ

سلف کے کارنامے جن کے نظّارے دکھاتے ہیں
وہ آثارِ قدیمہ رفتہ رفتہ مٹتے جاتے ہیں

زبانِ حال سے کہتی ہے یہ دِلّی کی ویرانی
نہیں کچھ اعتبارِ یادگارِ عالمِ فانی

نقوشِ روضۂ ممتازؔ کے تا چند نظّارے
کھڑے کبتک رہیں گے مسجد جامع کے مینارے

مٹے گا غزنویؔ کو ساتھ لیکر سومنات اکدن
فنا ہو جائے گی غوریؔ کی تاریخِ حیات اکدن

مزار تغلقؔ و تیمور کے نام و نشاں کبتک
رہیگی تازہ عہدِ مغلیہ کی داستاں کبتک

بصد اندوہ و حسرت التمشؔ کا قطب مینارا
کریگا تا کجا دِلّیؔ کی بربادی کا نظارا

کہاں تک حسرتیں چلّائینگی خلجیؔ کی مدفن پر
رہا الزام خونِ پدمنیؔ اب تیری گردن پر

---

[1] سید بدرالدین صابرؔ مخدوم آبادی جو مصنف کے لائق ترین شاگردوں میں ہیں۔
[2] ابو محمد ذکریا صہباؔ بی، کام جو ناظم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے نثّار بھی ہیں۔

نظر آتی ہیں دُھندلی لودیؔ و بابرؔ کی تصویریں
وہ پانی پت کا میداں اور وہ خوں آشام شمشیریں

غمِ ماضی رہے گا وجہِ اندوہ و قلق تا کے
مزارِ شاہ سوریؔ دے گا عبرت کا سبق تا کے

گریں گی بجلیاں غم کی کہاں تک قلبِ محزوں پر
کہاں تک حسرتیں پھوڑیں گی سر قبرِ ہمایوںؔ پر

حقوقِ ہندو و مُسلم کے جھگڑے فرطِ نفرت سے
کہاں تک جھانک کر دیکھے گا اکبرؔ اپنی تربت سے

رہے گی یاد کب تک ہر دلِ انساں کی تسخیری
بوصفِ الفتِ نورجہاںؔ عدلِ جہانگیریؔ

پڑیگا عکس کب تک اِس کا جمنا کی روانی پر
کہاں تک روضۂ شاہِ جہاںؔ ٹھیریگا پانی پر

کہاں تک سطوتِ شاہی و درویشی کا اک نقشہ
دکھائیگا جہاں کو شاہ عالمگیرؔ کا روضہ

رہا اِک یادگارِ سلطنت سینے پہ داغ آخر
بُجھا رنگون کے زنداں میں دِلّی کا چراغ آخر

رہیں گے صورتِ اقبالؔ ہم اک نوحہ خوانوں میں
ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

قلم سے کام لیجئے شوکتِ نو و کُہن لکھیے
مکمل سرگزشتِ حکمرانانِ وطن لکھیے

یہ سُن کر میرے دل میں بھی ہوا اِک ولولہ پیدا
بہ ایں بے ساز و سامانی ہوا یہ حوصلہ پیدا

عرض حال بحضور امام الہند علامہ آزاد صاحب

وزیر تعلیمات - ونائب وزیر اعظم - ہند

جو تھا اک رات فکرِ بندشِ مضمون عالی میں
تو میں کیا دیکھتا ہوں پردۂ خواب خیالی میں

کہ فردوسی بیاں کرتا ہے یہ باصد پشیمانی
نہ راس آئی مجھے آتش پرستوں کی ثنا خوانی

صلہ پایا نہ کچھ محمود کی سرکار والا میں
صدف کی طرح میں پیاسا رہا دامانِ دریا میں

تجھے موقع ہے اے ناداں مقدر آزمائی کا
صلہ بھرپور تو پائے گا اپنی جبہہ سائی کا

زمانے بھر میں حاصل اس کو شانِ امتیازی ہے
کہ خورشیدِ درخشاں خوگرِ ذرّہ نوازی ہے

محی الدین احمد ماہرِ تفسیرِ قرآنی
امام الہند فخرِ قوم وملت حاتمِ ثانی

کھڑی رہتی ہے باندھے ہاتھ دنیائے سیاست بھی
پڑی رہتی ہے چوکھٹ پر عنایت بھی مروت بھی

نگاہِ لطف یکساں اُسکی ہر شیخ و برہمن پر
نہیں ہے آج اس کا بارِ احساں کس کی گردن پر

بسر ہوتا ہے ہر لمحہ غریبوں کی حمایت میں
حکومت کو بھی شامل کر کے دکھلایا عبادت میں

جو کانٹا سامنے آتا ہے وہ گُل ہو ہی جاتا ہے　　نظر جس زاغ پر پڑتی ہے بلبل ہو ہی جاتا ہے

غلامی کا شرف اقبال مندی کی نشانی ہے　　نگاہِ التفات آگیں خدا کی مہربانی ہے

زہے دریا دلی آج اک زمانہ ہے غلام اس کا

خُدا رکھے کہ سارے ملک میں ہے فیض عام اس کا

حقیقت کی چھپی ہے روشنی تصنیف والا میں　　لگایا چار چاند اور اُس نے اُردوئے مُعلّیٰ میں

تلک جی نے بنا ڈالی تھی جس کار نمایاں کی　　ہوئی تکمیل تیرے ہاتھ سے آج اُن کے ارماں کی

قسم کھاتی ہے دُنیا تیری علمی قابلیت کی　　تری تحریر نے قسمت بدل ڈالی سیاست کی

مُسلمانوں سے بڑھ کر ہندوؤں پر تیرا احساں ہے　　تری شانِ کرم بے امتیاز کفر و ایماں ہے

تری طبعِ فلک پیما میں ہے گلشن کی رنگینی　　کہ جس کی عندلیبانِ چمن کرتے ہیں گُل چینی

عجب کیا ہے کہ وعدہ غزنوی کا تو وفا کر دے　　مرے اس خاک کے تُودے کو طومارِ طلا کر دے

یہ ہے اصرار مجھ سے آج یارانِ طریقت کا　　کہ لکھوں شاہ نامہ ہند کی مُسلم حکومت کا

مگر رہ رہ کے کہتی ہے یہ طبعِ ناتواں مُجھ سے　　کہ تنہا اُٹھ نہیں سکتا ہے یہ بارِ گراں مُجھ سے

توجہ شرط ہے پھر شوق پورا ہو ہی جاتا ہے — سہارا چاہیئے پھر بوجھ ہلکا ہو ہی جاتا ہے

جہانِ ماہ و انجم میں بھی لہرائے عَلم تیرا — قلم میرا رہے، لیکن رہے دستِ کرم تیرا

خلف کو چاہیئے عہدِ سلف کی یاد فرمائی — ہر اہلِ زر کی قسمت میں کہاں ذوقِ مسیحائی

راجہ سامری والئ مالابار کا معجزہ شق القمر بچشم خود دیکھنا اور انکشاف حقیقت حال کی تفتیش میں رہنا

عرب کا چاند جب کا جب عروج بام رفعت پر — ہوا شق القمر کا معجزہ شاہد رسالت پر

عرب نے، مصر نے، افرنگ نے، یونان نے دیکھا — بلوچستان نے، کابل نے ہندوستان نے دیکھا

یہ منظر دہر میں ہر کافر و دیندار نے دیکھا — بچشم خود یہاں والئ مالابار[1] نے دیکھا

---

[1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت مالک بن دینار۔ جو مشہور صحابی رسول ؐ تھے۔ بہ ارادۂ سفر، جہاز پر سوار ہوئے لیکن بادِ مخالف کے جھونکوں نے اس جہاز کو مالابار پہونچا دیا۔ والئ مالابار غیر ممالک کے سیاحوں سے بہ اخلاص ملا کرتا اور ان کے ملکوں کے حالات پوچھا کرتا تھا۔ حضرت مالک نے سرکار دو عالم کی بعثت کا تذکرہ کرتے ہوئے معجزہ شق القمر کا تازہ واقعہ بیان کیا۔ جس نے والئ مالابار کے شوق کو بھڑکایا۔ اور بالآخر مکہ معظمہ پہونچ کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا۔
سید سلیمان ندوی مرحوم۔ (ہند اور عرب کے مولف)

کہ بامِ آسماں پر ہیں مہِ کامل کے دو ٹکڑے
کوئی جس طرح کر دے توڑ کے اِک سِل کے دو ٹکڑے

یہ نظّارہ کچھ ایسا حیرت آگیں حیرت افزا تھا
وہ اِک تصویرِ حیرت بن گیا جس شخص نے دیکھا

لگے یہ چار چاند اور اسکی شانِ کبریائی میں
وہ شور اٹھا کہ ہل چل پڑ گئی ساری خدائی میں

یہ بیچینی سے تھا سردار مالابار کا عالم
کہ حیرت سے ہو جیسے نقش بر دیوار کا عالم

پئے تحقیق دوڑا آدمی دور و دراز اُس کا
کسی پر کھل سکا ہرگز نہ لیکن کوئی راز اُس کا

نجومی جوتشی، اہلِ نظر مشہور تھے جتنے
کیا سب کو طلب اُس نے قریب و دور تھے جتنے

کہا یہ جوتشیوں نے بالآخر اِک زباں ہو کر
کہ پیدا ہوگا دنیا میں کہیں اِک ایسا پیغمبر

کریگا چاند کے دو ٹکڑے انگلی کے اشاروں سے
دلائے گا نبوت کی گواہی سنگ خواروں سے

عجب کیا ہے ہوا ہو آج عالم میں ظہور اُس کا
کہ مغرب تا بہ مشرق دفعتہً پھیلے گا نور اُس کا

سریر آرائے مالابار سن کر ہو گیا حیراں
دلِ مضطر میں چپکے چٹکیاں لینے لگے ارماں

بدیسی غیر ملکی، جو مسافر آتے جاتے تھے
وہ سب سے جا کے ملتا تھا، پتے لگواتے جاتے تھے

یہودی اور نصرانی وہاں تاجر تھے کچھ ایسے
حجاز و مصر جولانگاہ تھے جن کی تجارت کے

کسی نے یوں کیا پیغمبرِ اسلام کا چرچا
کہ مکّے میں ہوا ہے بادشاہِ انبیا پیدا

فرشتے آسماں کے چومتے ہیں سنگ در اُس کا
ابھی تازہ ہوا ہے معجزہ شق القمر اُس کا

بڑا شہرہ ہے دنیا بھر میں اس معجز نمائی کا
وہ بندہ ہے مگر بندے میں ہے جلوہ خدائی کا

یہ سُن کر پائے بوسی کا ہوا اِک ولولہ پیدا
کیا بختِ رسا نے کیا مبارک حوصلہ پیدا

مگر اس راز کو پوشیدہ رکھّا غمگساروں سے
عزیزوں سے مشیروں سے وطن کے جاں نثاروں سے

کیا کچھ دن کے بعد آراستہ دربار عام اپنا
مشیرانِ حکومت کو سُنایا یہ پیام اپنا

کہ جی گھبرا گیا ہے حسرتِ دنیائے فانی سے
کبھی تو ہاتھ دھونا ہی پڑے گا زندگانی سے

کسی محفوظ گوشے میں عبادت کے لئے جاؤں
خدا کی یاد میں اپنے دلِ مضطر کو بہلاؤں

نہ ہوں گے زندگی میں ختم جھگڑے زندگانی کے
کسی سے کب ہوئے طے مرحلے دنیائے فانی کے

نہ بدلے کوئی موقع پا کے رُخ طرز حکومت کا
سبھی کچھ ہو مگر چھوٹے نہ دامن آدمیّت کا

کسی کا دل دُکھے ایسا نہ پیدا ہو کوئی ساماں
وہ انساں ہے کہ جس کے دل میں ہو ہمدردیٔ انساں

کسی کا دل نہ توڑا جائے سنگِ کبر و نخوت سے
قدم ہٹنے نہ پائے منزلِ راہ صداقت سے

تعصّب کی خلش پیدا نہ ہو جائے کسی دل میں
مسافر پر کوئی ایذا روا رکھّے نہ منزل میں

کوئی نالاں نہ ہو ہرگز جفا و جور پیہم سے
کہ آخر سلسلہ ہر ایک کا ملتا ہے آدم سے

رعیّت مُنھ نہ موڑے احترامِ بادشاہی سے
حکومت بڑھ چلے آگے نہ فرمانِ الٰہی سے

سرِ دربار مُنھ اِک اِک بشر حیرت سے تکتا تھا
کچھ ایسی بات تھی جس پر کوئی کچھ کہہ نہ سکتا تھا

مگر پھر بھی رئیسان و عمائد تا حدِ امکاں
بہت کچھ کر رہے تھے روکنے کی سعیٔ بے پایاں

پسند آیا اُسے کیا مشورہ ارکانِ دولت کا
کہ وہ سو جان سے پروانہ تھا شمعِ رسالت کا

ہوا پھر اُٹھ کے ہر احباب و ہر اغیار سے رخصت
وطن سے اور وطن کی ہر در و دیوار سے رخصت

رُلایا دوستوں کو اس طرف داغِ جدائی نے
کشش پیدا اُدھر کی آرزوئے جبہہ سائی نے

چلا گھر سے وطن چھوٹا، وطن کی سر زمیں چھوٹی
دلِ وارفتہ سے دُنیائے حسرت آفریں چھوٹی

مہینوں بحر و بَر کی منزلِ وحشت اثر کاٹی
بڑی بیچینیوں کے ساتھ تکلیفِ سفر کاٹی

پہاڑوں کے کہیں منظر، کہیں ساحل کے نظّارے
تلاطم خیزیوں میں اضطرابِ دل کے نظّارے

کہیں راتیں بسر کرنی کھجوروں کے بیابانیں
کہیں پڑتی تھی ریتونکی لپیٹ سُنسان میدانیں

کہیں اُونٹوں کی مدّھم چال پر شورِ حدی خوانی
کہیں صحرا کے تپتے ریت میں کھولا ہوا پانی

کہیں گرمی کی ڈھلتی دوپہر جلتی چٹانوں پر
جُھلس جاتی تھیں نظریں لُو سے بن جاتی تھی جاں پر

بایں صورت نواحِ سیّدِ ابرار تک پہنچا
بڑی تقدیر والا تھا بڑی سرکار تک پہنچا

ہوئی پُوری تمنّا سیّدِ ذی جاہ کو دیکھا
رسالت کے قبائے صدق میں اللہ کو دیکھا

معمّہ خود بخود حل ہو گیا رازِ نہانی کا
کہ نقشا پھر گیا آنکھوں کے آگے مَن رَآنِی کا[1]

نبی نے اپنے سینے سے لگا کر اک نظر ڈالی
مقدر جاگ اُٹّھا دل کی دُنیا پاک کر ڈالی

ملی ایمان کی دولت اُسے جو وقفِ زشتی تھا
بہشتی کر دیا دم بھر میں اُس کو جو کنشتی تھا

جو تھا تحت الثریٰ میں تا حدودِ لامکاں پہنچا
کہاں تھا ذرۂ ناچیز اور اُڑ کر کہاں پہنچا

جو بندہ ہو تو ایسا بندہ پرور ہو تو ایسا ہو
جو قسمت ہو تو ایسی ہو مقدر ہو تو ایسا ہو

شب و روز اک طواف کوچۂ خیر البشر کرنا
نمازوں میں بسر کرنا، دُعاؤں میں سحر کرنا

ہوئے پھر یک بیک کُفّارِ مکہ در پئے ایذا
رسول اللہ پر گویا پہاڑ اِک ظلم کا ٹوٹا

(نوٹ) [1] اشارہ مشہور حدیث "جس نے مجھے دیکھا، اس نے خدا کو دیکھا"

تو حضرت نے مسلمانوں کو ٹلنے کی اجازت دی
کوئی بصرہ کوئی حبشہ کی جانب ہو گیا راہی

کہا اصحاب ہندی سے کہ تم اپنے وطن جاؤ
کہیں ایسا نہ ہو مشق جفاؤ جور بن جاؤ

شرف بن مالک و اخوہ بن آلام صاحب دل[1]
ہوئے مالک بن دینار ابن اجنہ بھی شامل

چلے پھر ساتھ مالک بن حبیب اصحاب پیغمبر
بہ عجلت سرزمین پاک مکہ سے ہوئے باہر

بہ ایمائے نبی اصحاب ہندی کا ارادہ تھا
بسائیں جا کے ہندوستان میں اسلام کی دنیا

توکل پر کمر باندھے ہوئے اللہ کے بندے
مسافت کر کے طے تا منزل ارض ظفہ[2] پہونچے

پہونچتے ہی ظفہ اصحاب ہندی کو بخار آیا
علالت کی ترقی دیکھ کر دل سخت گھبرایا

ہوا دشوار اٹھنا بیٹھنا ضعف علالت سے
مرض نے طول کھینچا ہو گئی جب یاس صحت سے

تو فرمانے لگے ہمراہیان پاک فطرت سے
عجب کیا ہے کہ اپنا خاتمہ ہو اس علالت سے

پیام مرگ مومن کے لئے پیغام عشرت ہے
نہ کوئی دل میں ارماں ہے نہ کوئی دل میں حسرت ہے

تمہاری بے سروسامانیوں کا ہے قلق مجھ کو
مگر اک بات ہاں یاد آ گئی ہے برطبق مجھ کو

کہ میں اک حکم نامہ لکھ دوں تم کو ایسے مضموں کا
جسے پڑھ کر عزیزان وطن کو انس ہو پیدا

[1] اصحاب رسول (تاریخ فرشتہ) [2]

کیا وہ بھی عطا ان کو جو کچھ تھا پاس سرمایا مشیرانِ حکومت کو یہ ایں مضموں لکھا نامہ

کہ دنیائے دنی اک کارگاہِ رنج و راحت ہے نہ اپنی کوئی ثروت ہے نہ اپنی کوئی دولت ہے

فقط ہے زندگی ہی تک زر و اموال کی پرسش اگر ہوگی تو ہوگی بعد ازاں اعمال کی پرسش

خدا نے مستحق سمجھا نہ اس کو اپنی نعمت کا جسے انساں میں نہیں احساس انساں کی حمایت کا

نہ جن سے جیتے جی کچھ خدمتِ خلقِ خدا ہوگی تو پھر معبودِ مطلق کی عبادت اُس سے کیا ہوگی

کچھ عرصے سے ہیں یہ اہلِ عرب میری رفاقت میں کرو تم اُن کی ہر ممکن مدد ہر رنج و راحت میں

انہیں دینی اشاعت کی بھی آزادی میسر ہو یہ دونوں گھر خدا ہی کے ہیں مسجد ہو کہ مندر ہو

تجارت کی رہیں ان کے لیے ہر دم کھُلی راہیں تجارت بھی، زراعت بھی کریں جس طرح یہ چاہیں

یہی حق اُن کو سنگل دیپ میں ہو ہر جگہ حاصل کہ اپنے حلقۂ محکومیت میں وہ بھی ہے شامل

نزولِ بو البشر سے اِک زیارت گاہ عالم ہے کہ نقشِ پائے آدم قبلۂ اولادِ آدم ہے

ہدایت نامہ دے کر اُن سے فرمایا دمِ آخر خُدا ہر حال میں ہے اب تمہارا حافظ و ناصر

وطن میں میرے مرنے کو چھپانا، بلکہ یوں کہنا نصیبوں سے اکٹھے ہو گیا تھا کچھ دنوں رہنا

یہ کہہ کر چُپ ہوئے اور ہو گئے اللہ سے واصل   بدن سے رُوح نکلی کلمۂ توحید کے شامل

ظُغہ میں روضۂ اقدس ہے اُن کی یادگار اٹک

زیارت گاہ اہلِ دیں ہے تعمیرِ مزار اٹک

اعرابیوں کا مالابار پہونچنا اور بود و باش اختیار کرنا سنگل دیپ اور مالابار سے حاجیوں کا حج کے لئے جانا اور دیبل[1] کے مقام میں لُٹ جانا۔ اسلامی خواتین کا قید ہونا۔ حجّاج بن یوسف کا تنبیہ نامہ فرمانروائے سندھ راجہ داہر کو لکھنا اُس کا توجہ نہ کرنا۔ مُدیل کی سپہ سالاری میں ایک ہزار اسلامی فوج کا دیبل آنا اور شکست فاش کھانا

غم اصحاب ہندی میں عجب پانچوں کا عالم تھا   جو تھا تکلیفِ رُوحانی سے اِک دردِ مجسّم تھا

---

[1] جس کو اب کراچی بندرگاہ کہتے ہیں۔ یہاں ایک بہت بڑا مندر تھا جس میں دس ہزار برہمنوں اور راجپوتوں پر مشتمل ایک فوج رہتی تھی

چلے جاتے تھے دل اس غم سے لیکن پارہ پارہ تھا
ہوا وہ راہئ ملک عدم جس کا سہارا تھا

سمجھتے تھے کہ مالابار میں رکھا ہے کیا اپنا
نہ ملک اپنا نہ قوم اپنی نہ کوئی آشنا اپنا

سفر میں راستہ ملتا ہے لیکن عقل ہی گم ہے
خدا محفوظ رکھے کفر و ایماں کا تصادم ہے

کبھی کہتے تھے تکیہ کیا کسی کی غم گساری پر
کہ بندوں کو بھروسہ چاہیئے اک ذات باری پر

عرب جس کا اسی کا چین بھی، ہندوستاں بھی ہے
جو بتخانے کا مالک ہے، حرم کا پاسباں بھی ہے

جو کام آتی ہے مُشکل میں وہ دولت لیکے نکلے ہیں
کہ ہم توحید کی دِل میں امانت لیکے نِکلے ہیں

کوئی مُشکل ہو وقت حلّ مشکل آ ہی جاتا ہے
مسافر چلتے چلتے تا بہ منزل آ ہی جاتا ہے

اسی افکار میں کوہ و بیاباں بے سپر کر کے
وہ مالابار پہونچے طے صعوبات سفر کر کے

یہاں کا ذرّہ ذرّہ خوگرِ مہماں نوازی تھا
کہ سازِ ہند کو درکار مضرابِ حجازی تھا

اراکین و عمائد ان سے جو ملنے کو آتے تھے
خطِ فرمانروا کو اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے

غریبوں پر کسی دن فضلِ یزداں ہو ہی جاتا ہے
جو آکر دُور سے ملتا ہے مہماں ہو ہی جاتا ہے

لگی تعمیل ہونے ہر جگہ فرمان شاہی کی
پھرے دن رفتہ رفتہ صورتیں بدلیں تباہی کی

مکانوں کی پڑی بُنیاد مسجد کی بنا ڈالی — نظر کے سامنے پھرنے لگی تصویر خوش حالی

جمایا ہر کس و ناکس کے دل پر اقتدار اپنا — بڑھائیں کھیتیاں اپنی سنبھالا کاروبار اپنا

مسلمانوں نے کھولیں ہر جگہ اپنی دکانیں بھی — مساجد میں لگیں ہونے نمازیں بھی اذانیں بھی

اثر اسلام کی حقانیت کا پڑتا جاتا تھا — مفادِ صلح کے پردے میں چپکے لڑتا جاتا تھا

علاقے کفر کے مفتوحِ ایماں ہوتے جاتے تھے — قبیلے سارے نامُسلم، مسلماں ہوتے جاتے تھے

عراق و مصر سے بحری تجارت کا کھلا رستہ — عرب سے چین و جاوا تک ہوا اک سلسلہ پیدا

تھا سنگل دیپ و مالابار کا خطہ طرب آگیں — یہی دو منڈیاں تاجر مسلمانوں کا مرکز تھیں

مسلماں رفتہ رفتہ چھا گئے پھر ایشیا بھر میں — عرب سے ہند میں، ہندوستاں سے چین و بربر میں

عرب میں مصر میں ہندوستاں میں چین و جاوا میں — معاً اسلام کی پھیلی تجلّی ساری دنیا میں

مدد خاقانِ چین نے جب رسُولِ حق سے مانگی تھی[1] — تو چھ ہجری میں مسلم فوج خود حضرت نے بھیجی تھی

یہ ہے اک واقعہ فاروق اعظم کی خلافت کا — بروج و تھانہ[2] دونوں پر ہوا اسلام کا حملہ

---

[1] سنہ ۶ھ میں خاقان چین نے جناب رسول خدا سے فوجی امداد کی درخواست کی تھی، جو روانہ کی گئی اور وہاں سے واپس نہ ہو سکی۔ ("تاریخ فرشتہ")

[2] بروج و تھانیسور، مشہور مقامات۔

بیالِس[۴۲] میں معاویہ کا جب دورِ حکومت تھا | مسلمانوں نے بڑھ کر کر لیا مُلتان پر قبضہ
ولید ابن ملک تھا بانوے میں سلطنت آرا | گورنر جس کا تھا حجاج یوسف حاکمِ بصرہ
بڑا شہرہ تھا سنگل دیپ میں اُس کی عدالت کا | زمانہ بندۂ بیدام تھا حُسنِ عقیدت کا
تجارت کے علاوہ حج کا موقع آتا رہتا تھا | جہاز اسلام کا ہندوستاں سے جاتا رہتا تھا
اُسی دوران میں حج کا زمانہ جب قریب آیا | تو دل میں حاکمِ لنکا کے اس کا شوق چرّایا
تحائف بھیجے جائیں حاکم بصرہ کی خدمت میں | بڑھے کچھ اور عزّت جس سے سرکارِ خلافت میں
بڑی کوشش سے اُن اشیائے نادر کا کیا ساماں | نہ بصرے میں تھا جس کی دستیابی کا کوئی امکاں
مہیّا ہو گئے آخر وہ سارے قیمتی تحفے | بجز ہندوستاں جو اور مُلکوں میں نہ ملتے تھے
علاوہ وہ مسلماں جن کی لنکا میں تجارت تھی | جنہوں نے کچھ دنوں سے کی تھی قائم بُود و باش اپنی
کچھ ایسے اُن میں تھے جو چل بسے تھے دارِ فانی سے | وطن کی واپسی کا قصد رکھتے تھے عیال اُن کے
جہاز اسلام کا جو آرہا تھا چین و جاوا سے | بہت کچھ بھر چکا تھا حاجیانِ اہلِ تقویٰ سے
کوئی ایسا تھا جس کے دل میں ہجرت کا ارادہ تھا | جو کچھ بھی کائناتِ زندگی وہ لے کے نِکلا تھا

کسی نے اس لیئے بھی ساتھ لے لی تھی رقم کافی
کہ مکّہ میں بنائیں کوئی مسجد یادگار اپنی

یکایک تیرتا پانی کی موجوں پر جہاز آیا
بڑی سرعت سے طے کرتا ہوا راہِ حجاز آیا

جہاز میں مسلم خواتیں سینکڑوں سامان لیئے اپنا
کسی وارث کا غربت میں نہ جن کے سر پہ سایہ تھا

قرینے سے تحائف حاکمِ لنکا نے رکھوائے
جو پیچھے رہ گئے تھے وہ مسافر دوڑ کر آئے

چلا آہستہ آہستہ جہاز اس طرح پانی پر
روانی کا گماں تک بھی نہ تھا جس کی روانی پر

طرب انگیز دریا کے نظارے ہوتے جاتے تھے
جو منظر سامنے آتے تھے پیچھے ہوتے جاتے تھے

خدا پہونچائے مکّے کی تمنّا لے کے نکلے ہیں
مسافر دل میں ارمانوں کی دنیا لے کے نکلے ہیں

نظر میں روز و شب دریا تھا، یا تصویرِ ساحل تھی
یہی رستے کا رستہ تھا، یہی منزل کی منزل تھی

شبِ مہتاب اُس پر حلقۂ گرداب پانی میں
نظر آتا تھا اِک چلتا ہوا مہتاب پانی میں

تہِ آبِ رواں سورج کی کرنیں جگمگاتی تھیں
کہ پانی میں سُنہری مچھلیاں غوطے لگاتی تھیں

جہاز اتنے میں ٹھہرا آ کے بندرگاہِ دیبل پر
قیامت کا نظر آنے لگا ہر شخص کو منظر

معاذ اللہ بحری ڈاکوؤں کا اِک جتھا پہونچا
خدا کے پاک بندوں پر عجب قہرِ خُدا پہونچا

لہو خشک اُن کا ہو جاتا تھا آنکھیں جن پہ پڑتی تھیں
یہ عالم تھا کہ عزرائیل کی سانسیں اُکھڑتی تھیں

درندے بھی انہیں اک گرگِ صحرائی سمجھتے تھے
انہیں عفریت بھی عفریتِ دریائی سمجھتے تھے

اِدھر جھپٹے اُدھر جھپٹے، یہاں لوٹا وہاں لوٹا
کوئی انساں نہ چھوٹا، کارواں کا کارواں لوٹا

رسن سے حاجیوں کی پہلے مشکیں باندھ دیں کس کر
رکھا پھر لا کے اک سنگِ گراں اک اک کی چھاتی پر

گرج کر پھر یہ کہنا اُف اگر منھ سے نکالو گے
تو زندہ رہ نہیں سکتے ہو اپنی مار کھاؤ گے

کسی کی کہنیاں توڑیں کسی کا سر کیا زخمی
پڑا تھا کوئی تپتی ریت پر سر تا بہ پا زخمی

یتیمانِ شکستہ دل کا غش کھا کھا کے گر پڑنا
گروہِ بیوگانِ بےوطن کا اس پہ چلّانا

ترس کیسی کہاں کا رحم اشک و آہ و شیون پر
کفن کو بھی کوئی دھجی نہ رہنے دی کسی تن پر

بپا کشتی میں اک طوفانِ رستاخیز تھا ہر سو
خلیفہ المدد کا شور درد انگیز تھا ہر سو

وہ مسلم عورتیں عمریں کٹیں جن کی امیری میں
قیامت ہے وہ آئیں حلقۂ دامِ اسیری میں

خبر کیا تھی ستم ہوگا یہ مکّے کے مسافر پر
یہ آہیں بجلیاں بن جائیں گی اک دزدِ داہر پر

لٹیروں کی گرفتاری نمائش ہی نمائش تھی
کہ اس غارت گری میں حاکمِ دیبل کی سازش تھی

رہیں کچھ ڈاکوؤں کی قید میں کچھ عورتیں بھاگیں
ہوئے ہمراہ موقع پا کے کچھ مردانِ اہلِ دیں

جماعت چل کے پیادہ پا پہونچی بے سر و ساماں
بلوچستان سے مکران اور مکران سے ایراں

مقدر نے انہیں پہونچا دیا ایران سے بصرہ تک
رسائی ہو گئی حجّاج کی سرکارِ والا تک

تہہِ دل سے دعائیں دیں ادا رسمِ ستائش کی
یہ سرکارِ امیر المومنیں میں پھر گذارش کی

کہ سنگل دیپ سے دیبل میں آ پہونچا جہاز اپنا
تو لوٹا ڈاکوؤں نے آ کے اپنے پاس جو کچھ تھا

خدا جانے تباہی ہے کہاں تک اُنکی قسمت میں
بہت مسلم خواتیں ہیں ابھی قیدِ مصیبت میں

روا فرزاق بھی رکھتے نہ ایذا صنفِ نازک پر
یہ جراءت کی گئی ہے حاکمِ دیبل کی شہ پا کر

یہ منظر تھا کہ ایذا ڈاکوؤں کی سہتی جاتی تھیں
وفورِ جوشِ بیتابی میں لیکن کہتی جاتی تھیں

بلائیں سر پہ جو نازل ہوئی ہیں اس کو رد کرنا
خدا کے واسطے حجّاج تو میری مدد کرنا

یہ سُننا تھا کہ آنسو چشمِ حق بیں سے نکل آئے
شکن ماتھے پہ ابروئے جہانبانی پہ بل آئے

دلِ درد آشنا پر اس قدر صدمات و غم پہونچے
زباں سے بیخودی میں یہ نکل آیا کہ ہم پہونچے

ہوا اک بارگاہِ سلطنت میں زلزلہ پیدا
مشیرانِ حکومت کا بالآخر مشورہ ٹھہرا

کہ ابھی اک حکمنامہ مُہرِ شاھی سے مزّین ہو　　پیامی جا کے دے فرمانروائے سندھ داہر کو

حکمنامہ حجّاج بن یوسف حاکم بصرہ و نائب خلیفہ ولید بن ملک بنام راجہ داہر فرماں روائے سندھ

خدیو سندھ فخرِ راجگاں سرتاج ہندستاں　　رئیس مملکت آماجگاہِ گردشِ دوراں
نہ ہو جسکی حکومت میں کوئی سامان راحت کا　　وہ ہے ناپاک دھبہ گوشۂ دامانِ دولت کا
وہ دولت جو روا رکھتی ہے انسانکی دل آزاری　　تو اس کے سر سے اُٹھ جاتا ہے ظلِّ رحمتِ باری
جہاں غارتگری ہو بیوہ گانِ بے سروپا پر　　یقینی ہے وہ خطہ رہگذارِ سیلِ دریا پر
جہاں غارتگروں کا ساتھ دیتی ہو حکومت بھی　　وہیں کی سرزمیں سے اکدن اٹھیگی قیامت بھی
جہاز آتا تھا سنگل دیپ سے مُسلم خواتیں کا　　جفاکاروں نے بندرگاہ دیبل پر انہیں لُوٹا
اسی پر بس نہیں کچھ قید میں ہیں اُن لیٹروں کی　　کہ جن کے جورِ پیہم سے زمینِ ہند کانپ اُٹھی
سُنی کچھ ان کی روداد الم انگیز تو نے بھی　　ہمارے کان تک تو ان کے نالوںکی صدا پہونچی

مناسب ہے رہا قیدِ مصیبت سے کرے اُن کو
مرے دارالامانِ عام میں تو بھیج دے اُن کو

نہیں آساں کسی مظلوم پر جور و جفا کرنا
تجھے اس لُوٹ کا تاوان بھی ہوگا ادا کرنا

علاوہ اس کے تیرے باپ چچ[1] نے بھی حماقت کی
ابھی تو وہ خلش بھی میرے سینے سے نہ نکلی تھی

بلوچستاں میں کچھ عرصے سے اک مُسلم رسالہ ہے
علافی[2] پانچ سو عربوں کو لیکر جس سے بھاگا ہے

مرے مجرم کو شامل کر لیا اپنے سواروں میں
وہ ابتک ہے تری دولت کے فوجی جاں نثاروں میں

محبت ہے بڑی چیز اس کو تا امکان پیدا کر
نہیں تو ہوش میں آ جنگ کا سامان پیدا کر

مرتب جب ہوا خط قاصدِ شاہی کو بلوایا
ہوا پھر حکم نافذ جب پیامی سامنے آیا

ابھی ہارون سے ملنے تجھے مکران جانا ہے
کہ پھر مکران سے بھی جلد ہندوستان جانا ہے

ہوا قاصد روانہ بعدِ رسمِ آستاں بوسی
لگا کرنے ہوا سے باتیں اس کا اشہبِ تازی

سحر سے چلتے چلتے جس جگہ پر شام ہوتی تھی
تو شب بھر کے لئے وہ منزلِ آرام ہوتی تھی

کہیں دریا کہیں تھیں گھاٹیاں کوہ و بیابانکی
درندوں کی کہیں دہشت کہیں دہشت تھی انسانکی

---

[1] راجہ داہر کے باپ کا نام راجہ چچ تھا (تاریخ فرشتہ)
[2] بلوچستانی فوج کا سپہ سالار

کہیں شل ہوگئیں رانیں کہیں دکھنے لگیں باہیں
کہیں تھکنے لگا گھوڑا، کہیں گم ہوگئیں راہیں

کہیں گم ہونیوالی راہ پر کوسوں نکل آنا
کہیں پیچھے پلٹ کر پوچھنا اور راستہ پانا

کہیں صحرا کے سناٹے میں ماتم زندگانی کا
کہیں تھا کال دانے کا کہیں تھا قحط پانی کا

پہاڑوں کی چٹانوں پر کہیں راتوں کو ڈیرا تھا
درختوں کی گھنیری چھاؤں میں دن کو بسیرا تھا

غرض منزل بہ منزل نامہ بر مکران تک پہونچا
بڑھا مکران سے آگے تو ہندوستان تک پہونچا

پہونچکر سندھ کی آبادیوں کا راستہ پوچھا
جو رستہ مل گیا، پھر راجدھانی کا پتہ پوچھا

گیا جب راجدھانی تک تو نقشہ ہی نیا دیکھا
پرستش مندروں کی، دیوتیوں کا جمگھٹا دیکھا

کہیں تھا قشقۂ صندل جبینِ بے نیازی پر
جما تا تھا جو رنگ اپنا نگاہِ پاکبازی پر

کوئی کہتا تھا کیوں اس ملک میں تازی سوار آیا
صنم خانے سے حیرت میں کوئی زنار دار آیا

کوئی کہتا تھا بیوؤں کا ستانا رنگ لایا ہے
خلیفہ کا پیامی ہے، پیامِ جنگ لایا ہے

کوئی کہتا تھا یہ بھگوان کی کرپا اگر ہوگی
تو ہندو قوم ان مسلم ملیچھوں سے نہ سر ہوگی

مہاراجہ نے یہ سنکر کیا دربار کا ساماں
کہ جسمیں ہوں شریکِ بزم دانایانِ ہندستاں

ہوا مشہورِ خاص و عام حکمِ بزم آرائی
پئے نذرِ عقیدت سندھ کی دنیا امنڈ آئی

برہمن اک طرف اشلوک پڑھ پڑھ کر سناتے تھے
نجومی ملک کی قسمت کا مستقبل بتاتے تھے

رئیسان و عمائد میں بھی اک جوشِ عقیدت تھا
مزیّن خلعتوں سے حلقۂ ارکانِ دولت تھا

کہیں تھے افسرانِ جنگ اپنی وردیاں پہنے
لئے حربہ کھڑے تھے جنکے پیچھے فوج کے دستے

کہیں تھے ناوک اندازانِ ہندستاں قرینے سے
زرہ تھی اُن کے جسموں پر کمانیں دوش پر ڈالے

سواروں کے پرے اژدھات کی گویا تھیں دیواریں
سروں پہ خود۔ چہروں پر جھلم۔ ہاتھوں میں تلواریں

شبیہہ شان و شوکت راجگانِ ہند کا حلقہ
سریر زر پہ جس کے بیچ میں سردار داہر تھا

ہوا یہ حکم نافذ سامنے لاؤ پیامی کو
کہ دکھلائے خلیفہ کے وہ مکتوبِ گرامی کو

علافی نے سرِ دربارِ عام آکر پڑھا نامہ
کیا سندھی زباں میں صاف لفظی ترجمہ اُس کا

یہ سُنکر تاجدارِ سندھ کو غصّہ ہوا اتنا
کہ منشی سے کہا تُرکی بتُرکی دو جواب اسکا

جواب خط منجانب راجہ داہر فرمانروائے سندھ۔ بنام حجّاج بن یوسف نائب خلیفہ ولید

سر بر آرائے بصرہ تاجدار کشور ایراں
وبالِ چین و ہندستاں بلائے گردشِ دوراں

نہ دیکھا زندگی بھر جس نے منھ آرام و راحت کا
وہ کیا جانے سلیقہ حکمرانی کا حکومت کا

بڑھیگی آتشِ ایران و بصرہ کی جو طغیانی
بُجھا دیگا اُسے دم بھر میں بحرِ سندھ کا پانی

نظر میں اسکی وقعت کیا عرب کے بینواؤنکی
جسے روحی مدد حاصل ہو، مُلکی دیوتاؤں کی

وہ کر سکتا ہے کیا جو ملک دانے کو ترستا ہے
یہاں سونے کی کانیں ہر جگہ ہیں ہُن برستا ہے

زمانے کی دل آزاری سے ہے دل بے نیاز اپنا
کسی قزّاق و رہزن سے نہیں کچھ ساز باز اپنا

یہ وہ ڈاکو ہیں جن کا سامنا کرنا قیامت ہے
کوئی قابو میں ان کو لاسکے یہ کس کی طاقت ہے

نہ اس غارتگری کا ایک بھی تاوان میں دونگا
نہ تیرے زورِ بازو سے یہ جرمانہ ادا ہوگا

علافی ہے کچھ عرصے سے مری افواج میں شامل
اب اس کے باب میں کچھ ذکر کرنا ہی ہو لاطائل

غلامی میں نہیں مخصوص اپنا اور بیگانہ
جھکانا ہی پڑا جب سر تو کعبہ ہو کہ بت خانہ

بھلا میں جنگ کی ان دھمکیوں کو کیا سمجھتا ہوں
جو کچھ سمجھا ہے تو نے میں اسے الٹا سمجھتا ہوں

حکومت کا مری ہر ذرہ صد کانِ جواہر ہے
میں ہوں فرمانروائے سندھ میرا نام داہر ہے

ملا پیغام میر کو پھر جوابِ نامۂ شاہی
تو ہندوستان سے بصرہ کی جانب ہو گیا راہی

وہی منزل وہی رستہ، وہی صحرا، وہی دریا
وہی تکلیف جانفرسا، وہی دہشت، وہی خطرا

وہی چلنا وہی تھکنا وہی بے ساز و سامانی
پہونچکر منزلوں پر ازسرِ نو زندگی پاتی

کبھی ہندوستاں کی سادگی پر تبصرہ کرنا
کبھی عربوں کے خونیں معرکوں کا فیصلہ کرنا

کبھی ناقوس کی آواز بے معنی تھی کانوں میں
کبھی سنتا تھا وہ توحید کے نغمے اذانوں میں

کبھی تھا مندروں کا اجتماعِ عام نظروں میں
کبھی تھا احترام کعبۂ اسلام نظروں میں

کبھی یہ آب و ہوائے ہند کی آنکھوں میں تصویریں
کبھی نظروں میں پھرتی تھی مسلمانوں کی شمشیریں

ہوئی طے منزل بصرہ سرِ دربار آپہونچا
سلیماں کے جلو میں ہدہدِ رنگیں نوا پہونچا

پڑی ہلچل یہ سننے کیلئے ہر خاص و عام آیا
کہ ٹھہری صلح کی، یا سرفروشی کا پیام آیا

ارا کینِ حکومت کا ہوا دربار میں حلقہ — پڑھا جانے لگا وہ نامہ جو داہر نے لکھا تھا

کہا ہر شخص نے مُردے بھی اب کروٹ بدلتے ہیں — علامت موت کی ہے چیونٹیوں کو پر نکلتے ہیں

مناسب ہے خلیفہ کا اجازت نامہ منگوائیں — جہادِ فی سبیل اللہ کی تحریک فرمائیں

لگا رکھی تھی بصرہ تا دمشق اِک ڈاک گھوڑے کی — ہوا قاصد روانہ التجائے جنگ لکھ بھیجی

خلیفہ نے لکھا اس مشورے سے متفق ہو کر — کہ سرکوبی کو جائے غازیانِ دیں کا اک لشکر

غریبوں کی حمایت حکمرانوں کی عبادت ہے — انہیں پر انحصارِ زورِ بازوئے حکومت ہے

بڑی جانباز فوجیں ہوں بڑا جرار جنرل ہو — مُدیل[۱] پاک باطن لشکرِ دیں کا ہراول ہو

مجاہد اک ہزار اور تین سو گھوڑے فقط جائیں — یہی کافی ہیں جا کر جوہرِ شمشیر دکھلائیں

سپاہی کا لہو اک بوند بھی چشمِ حکومت میں — خراجِ ہفت کشور سے سوا ہوتا ہے قیمت میں

مناسب ہر جگہ منزل پہ قائم ہوں رسدگاہیں — بڑی آسانیوں کے ساتھ کٹ جائیں کڑی راہیں

سواروں کے علاوہ ساتھ تیر انداز بھی جائیں — فنونِ جنگ کے مشاق نیزہ باز بھی جائیں

حجازی کے رہیں پہلو بہ پہلو اہلِ ایراں بھی — لیے ہے مکران میں کافی کُمک کا ساز و ساماں بھی

۱ فوجِ اسلامی کا ہراول سپہ سالار

سلاحِ جنگ کی ایسا نہ ہو کوئی شکایت ہو
حمایت کا جہاں پر وقت موقع ہو، حمایت ہو

بہ فرمانِ خلیفہ لشکرِ اسلام کا دستہ
چلا بصرہ کی سرحد سے لیا مکران کا رستہ

یہ لشکر منزلوں پر کارواں در کارواں پہونچا
غرض مکران سے تا سرحدِ ہندوستاں پہونچا

کئے پھر جا کے خیمے نصب بندرگاہِ دیبل پر
بڑی شوکت سے اترا ایک بیکِ اسلام کا لشکر

ہوا اک شور برپا لشکرِ اسلام آیا ہے
عرب سے سندھیوں کی موت کا پیغام آیا ہے

جو ہے جنگ آزما ہے جنگجو جرّار و غازی ہے
سپاہی ہے بہادر ہے، مجاہد ہے، نمازی ہے

برہمن راجپوت اور جاٹ لاتعداد بے گنتی
علاقے سے فراہم ہو گئے، اک سنسنی پھیلی

اذانیں دیں مسلمانوں نے جب وقتِ نماز آیا
کہ جسکی ہر صدا سے جنگ کا میدان گونج اٹھا

مصلّے بھی بچھا ڈالے نمازوں کی صفیں باندھیں
ہوئے تصویرِ حیرت دیکھ کر سب منکرانِ دیں

ہوئے فارغ مسلماں جب نمازِ صبح گاہی سے
لگے چہرے چمکنے جلوۂ نورِ الٰہی سے

پیامی سے یہ فرمایا مُدیلِ پاک باطن نے
کہ تو فوجِ مخالف کے سپہ سالار سے کہدے

گراں ہوتے ہیں جو تاخیر کے لمحے گذرتے ہیں
مجاہد منتظر ہیں انتظارِ جنگ کرتے ہیں

سوالِ جنگ کا فوجِ مخالف سے جواب آیا
بہت دن چڑھ چکا ہے اب جو ہونا ہو وہ کل ہوگا

بڑھا دن بھر میں اتنا اور رسد کی فوج کا دستہ
ہوئی تا شام فوجِ جنگجو دونا سے چوگونا

بڑا سامان تھا، فرمان پر فرمان ہوتا تھا
گھڑی گھنٹے میں شب بھر اک نیا اعلان ہوتا تھا

اِدھر لیلائے شب کے گیسوئے پُرخم کا خم نکلا
اُدھر آئینہ در کف آفتابِ صبح دم نکلا

جبینِ آسماں سے گر پڑی افشاں ستارونکی
لگی کروٹ بدلنے نیند آنکھوں میں سوارونکی

اِدھر ناقوس کی آواز فریاد و فغاں گونجی
اُدھر میدان میں افواجِ مُسلم کی اذاں گونجی

اِدھر پُوجے کی تھیں تیاریاں زنّار دارونکی
نمازِ صبح اُدھر ہونے لگی مُسلم سوارونکی

دو طرفہ کُفر و دیں کا قابلِ نظّارہ منظر تھا
اِدھر تھا جَے مہابیر اور اُدھر اللہ اکبر تھا

سرِ میدان جنگ آراستہ ہونے لگیں فوجیں
کھڑی دونوں طرف مدِّ مقابل ہوگئیں فوجیں

کمانداروں کا دستہ اک طرف تیر و کماں تانے
برابر کہنیوں سے کُہنیاں ملتے ہوئے شانے

اِدھر اپنی صفیں باندھے ہوئے خنجر بکف غازی
لگامیں ہاتھ سے رانوں سے نِکلے جاتے تھے تازی

سواروں کا اشارا پاتے ہی مڑتے ہوئے گھوڑے
دمِ رفتار پارے کی طرح اُڑتے ہوئے گھوڑے

سلاحِ جنگ سے اِک اک عرب تصویرِ آہن تھا
کمانداروں میں ارجن، زورِ بازو میں تہمتن تھا

اِدھر داہر کی فوجوں نے قرینے سے پرے باندھے
مسلسل ہاتھیوں کے ناوک اندازوں کے دستے تھے

سوار اک سمت گھوڑوں کو جمائے اپنی رانوں کو
کماندار اک طرف تاکے ہوئے اپنے نشانوں کو

پیادے صف بہ صف تولے ہوئے ہاتھوں میں شمشیریں
وفورِ غیض سے اُبھری ہوئی ماتھے کی تحریریں

صدائے بوق و قرنا سے ہوا اک زلزلہ پیدا
تھا آوازِ دہل پر صورِ اسرافیل کا دھوکا

گرجتے بادلوں کی طرح للکاریں جوانوں کی
پھٹی جاتی تھی جس کو سن کے چھاتی آسمانوں کی

اِدھر نصرٌ مِن اللہ ہر مجاہد کی زباں پر تھا
اُدھر ہر دیوتاؤں کا بھروسا دل کے اندر تھا

اِدھر جوشِ شجاعت ولولہ انگیز تھا دل میں
اُدھر اک شعلۂ بغض و عداوت تیز تھا دل میں

اِدھر سرگرمیٔ ہمت بھی تھی ذوقِ شہادت بھی
اُدھر تھا دھرم کا احساس بھی مُلکی حفاظت بھی

اِدھر تھا آبروئے ملتِ اسلام کا جذبہ
اُدھر ہر دل میں تھا ذوقِ نمود و نام کا جذبہ

اِدھر سر تھا ہتھیلی پر پئے نذرانہ باری
اُدھر ہر قلب میں تھا موجزن اک جوشِ خونخواری

اِدھر نکلا تھا ہر غازی کفن باندھے ہوئے سر سے
اُدھر ہر پہلوان کا سر ڈھکا تھا خود و مغفر سے

اِدھر ہر گام پر اک نعرۂ تکبیر ہوتا تھا
اُدھر ہر لحظہ اظہارِ فنِ شمشیر ہوتا تھا

یکا یک اک عرب آیا نکل کر فوج کے دل سے
کہا یہ حسبِ دستورِ عرب داہر کے جنرل سے

تری افواج سے اب کوئی میرا ہم نبرد آئے
کمالِ نیزۂ و شمشیر جو رکھتا ہو دکھلائے

اُدھر سے دیو زاد عفریت خُو اک پہلوان نکلا
زباں سے ہر دلیر جنگ آزما کے الاماں نکلا

وہ جب آیا تو غازی نے دیا کاوے پہ تازی کو
کہ وہ چکرا گیا بھولا طلسمِ فتنہ سازی کو

مگر پھر بھی کیا اک وار آتے آتے خنجر کا
بہادر نے وہیں تلوار کو تلوار پر روکا

جو کی مسلم سپاہی نے رسید اک تیغ کچھ بڑھ کے
گرا فرشِ زمیں پر وہ کمر سے ہو کے دو ٹکڑے

یہ جب رخصت ہوا پھر ہم نبرد اک دوسرا آیا
وہ گویا اپنی مٹھّی میں لئے اپنی قضا آیا

مقابل ہوتے ہی بل کھا کے جھپٹا صورتِ اژدر
سنبھل کر اس نے اک نیزہ لگایا اُس کے سینے پر

اسی پر بس نہیں پُھرتی سے اک ایسا دیا جھٹکا
کہ وہ پشتِ فرس سے اُٹھ گیا اور خاک پر پٹکا

یہ منظر دیکھ کر ہوش اُڑ گئے سندھی سواروں کے
قدم دہشت سے جمتے تھے نہ اُن دہشت ماروں کے

کماندار و سوار و نیزہ باز اک ساتھ مل جل کر
اکٹھے حملہ آور سب ہوئے مسلم سپاہی پر

کمانوں کی کڑک سے ہر طرف اک بارشِ پیکاں / بپا ہر سمت نیزوں کی لچک سے اِک نیا طوفاں

کہیں نیزوں کی خونخواری کہیں تھے وار خنجر کے / کہیں ٹکڑے کلیجوں کے کہیں تودے تن و سر کے

مقابل سے مقابل ہو کے اِک اِک لڑتا جاتا تھا / جہاں دیکھو وہیں گھمسان تھی، رن پڑتا جاتا تھا

بالآخر بڑھ گئیں سرگرمیاں اتنی ہلاکت کی / کہ نوبت آ گئی مُسلم سواروں کو شہادت کی

یہ ثمرہ ہاتھ آیا لشکرِ دیں کی حمایت کا / مُدیلِ پاک باطن کو ملا رتبہ شہادت کا

مقدر پر کبھی چلتے نہیں تعویذ اور گنڈے / لہُو سے پڑ گئی بُنیادِ مسلم گڑ گئے جھنڈے

بہت کچھ ہاتھ آیا سندھیوں کو لوٹ کا ساماں / خیام و ترکش و تیر و کمان و نیزہ و پیکاں

لگے انعام بٹنے ہر طرف سندھی حکومت کے / بجائے نوبتی نے شادیانے فتح و نصرت کے

سمٹ کر فوج بعدِ فتح و نصرت، جوشِ عشرت میں / چلی اور چل کے پہونچی سندھ کی دارالحکومت میں

ہوا اک اہتمام جشنِ شاہی راجدھانی میں / اٹھا رکھی کسر کوئی نہ مُلکی شادمانی میں

نچھاور سیم و زر ہونے لگے اِک اک سپاہی پر / ہوئے ہر افسرانِ فوج کے اعزاز بالاتر

کسی نے پائی جاگیریں کسی نے خلعتِ پُرزر / کوئی شاداں خطابِ سلطنت کی آبرو پاکر

دلِ داہر پہ چھائی عشرتِ فتح و ظفر بھی تھی ‏ نشاطِ فتح کے انجام مخفی پر نظر بھی تھی

ہوئیں دربار میں ہر عاقل و دانا کی تقریریں ‏ پتے کی کہہ رہی تھی کچھ مگر کاکا[1] کی تقریریں

ہوا یہ افسرانِ جنگ کو فرمان داہر کا ‏ بڑھائی جائیں فوجیں اور بھی دونا سے چوگونا

پیادوں میں خدنگ و تیغ و خنجر کا اضافہ ہو ‏ جو دشمن ہو وہ اک بہتا ہوا لوہے کا دریا ہو

ملائے ہاتھ ارجن سے وہ تیر انداز بھرتی ہوں ‏ جو رستم سے بھی لڑ جائے وہ نیزہ باز بھرتی ہوں

سواروں کی قطار اژدھاں کی دیوار بن جائے ‏ جو لے تلوار وہ سرتاپا تلوار بن جائے

پڑے جس پر نگاہِ گرم اُس کو خاک کر ڈالو ‏ زمانے سے مسلمانوں کا قصہ پاک کر ڈالو

رہے میدان میں باون[۵۲] ہزار افواج کا ساماں ‏ ڈبو دے ساری دنیا کو اٹھے وہ جنگ کا طوفاں

وہ گھوڑے ہوں عطا اک اک جوانِ رزم آرا کو ‏ جو ٹاپوں سے ملا دے خاک میں ایران و بصرہ کو

رہیں اک سو وہ پیلانِ گراں زنجیر لشکر میں ‏ جو کھینچیں ہر قدم پر موت کی تصویر لشکر میں

اِدھر اک عید تھی ہر سندھیوں میں فتح و نصرت کی ‏ اُدھر بصرہ شکستِ فاش کی ناگہ خبر پہونچی

وفورِ درد و غم سے تھا عجب حجاج کا عالم ‏ مسلمانوں کے حلقے میں شہیدوں کا رہا ماتم

[1] کاکا پنڈت ہندوستان کا ایک مشہور جوتشی

شکست کی خبر بصرہ پہونچنا اور خلیفہ ولید بن ملک کا ازسرِنو محمدؐ بن قاسم کی سپہ سالاری میں چھ ہزار مسلم فوج کا میدانِ جنگ میں روانہ کرنا اور محمدؐ بن قاسم کا فتح پانا

ہوا تازہ وہ جذبہ انتقامِ خونِ مسلم کا
نئے سر سے مسلمانوں نے پیمانِ وفا باندھا

تو دربارِ خلافت میں ہوئی اک مجلسِ شوریٰ
تھا جسمیں شام و ایراں کے نمائندوں کا اک میلہ

ہوا جب اجتماعِ عام ہر جرّار و غازی کا
خلیفہ نے شجاعوں کو مخاطب کر کے فرمایا

تمہیں یہ منتخب کردو کہ تم میں کون ہے ایسا
کہ جس کے ہاتھ میں دیدوں علم افواجِ مسلم کا

سبھی نے کی گذارش سجدہ ریزِ آستاں ہوکر
سبھی کہنے لگے بالمشورہ بایک زباں ہوکر

کوئی شایاں نہیں سرداریٔ افواجِ مسلم کا
یہ منصب ہے عماد الدین محمدؐ ابنِ قاسم کا

جو سلطاں ہو تو ایسا ہو گورنر ہو تو ایسا ہو
جو لشکر ہو تو ایسا ہو، جو افسر ہو تو ایسا ہو

ابھی سترہ برس کی عمر تھی جرّار و غازی کی — یہ تھا داماد بھی حجّاج یوسف کا، بھتیجا بھی
لہو گرما چکا تھا انبساطِ زندگانی کا — جوانی کی اُمنگیں تک رہی تھیں منہ جوانی کا
طبیعت میں متانت نُطق میں معجز بیانی تھی — نمو کے دن تھے، جوشِ حُسن تھا، چڑھتی جوانی تھی
عرب کی آبرو، ہندوستاں کا فاتحِ اول — عروج اسلام کا اسلام کی اُٹھتی ہوئی کونپل
جہادِ فی سبیل اللہ تھا لشکر کشائی تھی — جسارت خالدِ جانباز کی حصّے میں آئی تھی
رگ و ریشے کے اندر فتح و نصرت کا لہو رقصاں — سراپا ملّتِ اسلام کے اقبال کا ساماں
چھلانگ آہو کی میدانمیں، جگر سینے میں ضیغم کا — علیؓ کا ہمہمہ تھا، دبدبہ فاروقِ اعظمؓ کا
کمر میں تیغ، کاندھے پر علم رانوں میں تازی تھا — زہے شوکت سراپا پیکرِ شانِ حجازی تھا
جدھر اُٹھ جاتی تھیں آنکھیں اُدھر دولت برستی تھی — ہر اک انداز پر اسلام کی شوکت برستی تھی
عیاں چہرے سے نقشا زورِ بازوئے خلافت کا — نظر آتا تھا اک اقبال اسلامی حکومت کا
چلی القصہ مسلم فوج بصرہ سے سوئے دیبل — نیا جذبہ، نیا حملہ، نیا دستہ، نیا جنرل
دلوں میں انتقامِ خوں کے اک خونریز منصوبے — بلا انگیز منصوبے، تلاطم خیز منصوبے

زمینِ سندھ ہوگی پائمالِ موجۂ طوفاں — یہ سیلابِ بلا بڑھتا چلا ہے سوئے ہندستاں

جہاں پر فوجِ مسلم تمکنت سے پاؤں دھرتی ہے — ظفر لیتی ہے بوسے فتح استقبال کرتی ہے

زمیں کو زلزلہ ہے کانپتا ہے جنگ کا میداں — یہ شیرانِ حجازی کیا نگل جائینگے ہندستاں

نکل پڑتی ہیں باہر میاں سے جب انکی شمشیریں — تو ہلنے لگتی ہیں بتخانۂ دیبل کی تعمیریں

کہاں کے رہنے والوں کی کہاں تقدیر لڑتی ہے — فلک پر مہر ہے۔ لیکن زمیں پر دھوپ پڑتی ہے

غرض منزل بہ منزل تا بہ مکراں آگئیں فوجیں — فضائے خشک و تر پر چار جانب چھا گئیں فوجیں

کیا ہاروں نے مکراں میں سامان کچھ ایسا — کہ جس سے اور بھی جذباتِ اسلامی ہوئے تازہ

وہاں سے فوجِ مسلم چل کے دیبل[1] واسلہ پہونچی — گلستاں در گلستاں فتح و نصرت کی ہوا پہونچی

قیامِ فوج نے کی از سرِ نو تازگی پیدا — ہوا ساماں مہیا غازیوں کو قلعہ گیری کا

وہاں سے جب بڑھے تو منزلِ مقصود پر آئے — کلس بتخانۂ دیبل کے کوسوں سے نظر آئے

عمارت اس صنم خانے کی تھی چالیس گز اونچی — علاوہ چار برجوں کے طلسمی ایک جھنڈی تھی

سوا پھاٹک نہ تھا دروازۂ راہِ فرار اس میں — برہمن راجپوت اور جاٹ تھے نو[9] دس[10] ہزار اس میں

درونِ قلعہ کافی اسلحوں کا ساز و ساماں تھا
خدنگ و نیزہ و تیر و کماں کا ایک طوفاں تھا
نمونہ یہ صنم خانہ تھا اجلالِ حکومت کا
یہ تھا گویا حصارِ اوّلیں مُلکی حفاظت کا
زمانے بھر میں ڈنکے بج رہے تھے نیکنامی کے
اکھاڑے تھے یہاں جنگ آزمایانِ گرامی کے
درخشاں اِک طرف تھا پرچم جمجاہیِ داہر
کہیں بجتا تھا پیہم کوس شاہنشاہیِ داہر
حکومت کی رگوں میں مذہبی احساس شامل تھا
کہیں ناقوس کے نغمے کہیں شورِ جلاجل تھا
پرستش دیوتاؤں کی کہیں جنگی ترانوں میں
کہیں ملکی تحفظ کی دُعائیں وید خوانوں میں
درِ بتخانہ تک افواجِ مُسلم ناگہاں پہونچی
صدا کانوں میں گونجی نعرۂ اَللّٰہُ اَکبر کی
گماں ہوتا تھا پیدا حشر کا ساماں نہ ہو جائے
کہیں بتخانہ پامالِ سُمِ اسپاں نہ ہو جائے
جدھر اٹھتی تھی آنکھیں انقلاب انگیز منظر تھا
فضائیں کانپتی تھیں ہر طرف سامانِ محشر تھا
یہ سیلابِ حجازی کارواں در کارواں آیا
خس و خاشاک کو دھوتا ہوا سیلِ رواں آیا
اُدھر گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوا اِک زلزلہ پیدا
اِدھر ہلنے لگا ہر قصرِ ہندستاں کا کنگورا
اُدھر دانتوں سے اپنی داڑھیاں دابے ہوے غازی
اِدھر ٹوٹا ہوا زورِ طلسمِ ناوک اندازی
اُدھر کھولا ہوا خونِ انتقامِ خونِ مُسلم کا
اِدھر سرگرمیِ بُغض و عداوت کا لہو ٹھنڈا

اُدھر شاہینِ ایراں اُڑ رہے تھے بال و پر کھولے
اِدھر سندھی کبوتر دم بخود دہشت سے پر تولے

اُدھر خیمہ ہوا استادہ ہر جرار و غازی کا
دلوں پر چھا گیا اک دبدبہ فوجِ حجازی کا

مرتب کی گئی اک بارگاہِ آسماں رفعت
بن قاسم امیر فوج نے بخشی جسے زینت

دُور و یا ہر سلاحِ جنگ سے آراستہ ہو کر
ہوا حکمِ وغا کا ملتجی اسلام کا لشکر

امیرِ فوج نے پھر فوج میں تقریر فرمائی
دکھا دو آج دُنیا کو کمال رزم آرائی

شجاعت میں کسر باقی نہ کوئی آج رہ جائے
سرِ میداں شجاعانِ عرب کی لاج رہ جائے

معاون ہر مصیبت میں تمہارا افضل داور ہے
تمہارے سر پہ دامانِ پیمبر سایہ گستر ہے

ازل سے دی ہے خالق نے تمہیں کونین کی شاہی
وراثت میں تمہارے آج ہے تیغِ یدُ اللٰہی

بتوں سے پاک تم نے کر دیا کعبے کا بتخانہ
نگاہوں میں تمہاری جچ سکا کب تاجِ شاہانہ

اُدھر فتح و ظفر دوڑی جدھر تم نے نظر کر دی
مہم بدر و اُحد کی تم نے دو حملوں میں سر کر دی

غرورِ قیصر و کسریٰ کو قدموں سے کچل ڈالا
شجاعانِ جہاں کو تم نے چٹکی سے مسل ڈالا

قیامت تم نے برپا کی ہے بیدینوں کے لشکر میں
زمانہ تم پہ ایماں لا چکا ہے جنگ خیبر میں

تمہارے کارنامے سُن کے کانپ اُٹھتا ہی ہندستاں
جلا دو اس اندھیری کوٹھری میں مشعلِ ایماں

بکارِ خود چرا اندیشۂ سود و زیاں ما را
کہ ہست آں کارساز ما بفکر کار و بار ما

ہوا پیدا دلوں میں از سرِ نو ذوقِ جانبازی
بجا طبلِ وغا اڑنے لگے میدان میں تازی

کمانداروں کا تیروں کی طرح وحشت سے جی چھوٹا
سواروں میں رہا کب حوصلہ تیغ آزمائی کا

کماں سے تیر چھوٹے گر پڑیں ہاتھوں سے شمشیریں
نظر آتی تھیں فوجیں لرزہ بر اندام تصویریں

شجاعانِ عرب کو دیکھ کر خیرہ ہوئی آنکھیں
تو بتخانے کے دروازے نے اپنی بند کی آنکھیں

ہوا جب بند فرطِ خوف سے بابِ صنم خانہ
پھنسے دامِ مصیبت میں سب اربابِ صنم خانہ

اٹھایا سندھیوں نے اضطرابِ دل کا خمیازہ
مقیّد ہو گئیں فوجیں، مقفل کر کے دروازہ

اُمیدیں مُسکرا اٹھیں دلِ ہر ترک و تازی میں
گھرا بتخانہ سارا حلقۂ فوجِ حجازی میں

کہاں کی جنگ کیسا سامنا افواجِ مُسلم کا
نکل کر بتکدے سے بھاگنے کا بھی نہ تھا رستہ

مسلمانوں کا لشکر سعیٔ پیہم سے نہ باز آیا
مجاہد جھک گئے سجدے میں جب وقتِ نماز آیا

تو بامِ بتکدہ سے ناوک اندازوں کا اِک دستہ
نمازوں میں لگا کرنے ہدف تیرِ شقاوت کا

ہوئے مجروحِ ناوک اُس سے جب کچھ غازیانِ دیں | امیرِ فوجِ اِسلامی نے بدلے جنگ کی آئیں
نمازوں میں کیا فوجی تحفظ کا سر و ساماں | پڑھے جب اک جماعت دوسری ہو جنگ کی خواہاں

کئی دن تک یونہی دونوں طرف تیروں کے منہ برسے | چلیں چوٹیں برابر کی سرِ میداں برابر سے
کمانوں کی کڑک اُڑتے ہوئے تیروں کا زنّاٹا | کسی کی ہڈیاں توڑیں کسی کا خون تک چاٹا

اُدھر سندھی کمانداروں کے ترکش ہو گئے خالی | لگی آنکھوں میں پھرنے ہر طرف تصویرِ پامالی
رسد بھی سندھیوں کو ایک ہفتے تک نہ ہاتھ آئی | کہ باہر لشکرِ اسلام کی تھی شوکت آرائی

تو بتخانے کا پھاٹک کھول کر اک برہمن نکلا | امیرِ فوجِ مُسلم تک طلبگارِ اماں پہونچا
برہمن کو محمد ابنِ قاسم نے اماں بخشی | محبت سے درونِ بتکدہ کی کیفیت پوچھی

کہا اُس نے عقیدہ اہلِ بتخانے کا اس پر ہے | کہ جبتک یہ طلسمِ خاص ہم پر سایہ گستر ہے
کوئی طاقت ہمارا بال بیکا کر نہیں سکتی | گری جھنڈی تو بتخانے میں ٹھہریگا نہ پھر کوئی

امیرِ فوجِ مسلم واقفِ رازِ نہاں ہو کر | بہت ہنسنے لگا ان بت پرستوں کے توہم پر
جنیوا منجنیق انداز کو خیمے میں بلوایا | ہوا وہ سجدہ ریزِ آستاں تو اُس سے فرمایا

طلسمِ خاص کو توڑے جو تیری سنگ اندازی تو کرلے مات تو ان شاطرانِ جنگ سے بازی

ہوئی جب ضو فشانی ہر طرف صبحِ سعادت کی شعاعیں جگمگائیں آفتابِ فتح و نصرت کی

جہاں کا اور ہی عالم نظر آنے لگا ہر سو فضا میں پرچمِ خورشید لہرانے لگا ہر سو

بجھی بامِ فلک پر ماہِ شب افروز کی مشعل ہوا رخصت فلک سے انجمِ رقصاں کا اِک اِک دل

مسلح منتظر تھا اس طرف اسلام کا لشکر درونِ بتکدہ ہر شخص کی تھی زندگی دوبھر

جنیوا نے سرِ میداں سنبھالا منجنیق اپنا دکھایا ہر کس و ناکس کو نقشہ زورِ بازو کا

طلسمِ خاص پر دم بھر میں اتنی سنگ باری کی کہ دو ٹکڑے ہوئی فرشِ زمیں پر گر پڑی جھنڈی

گری جھنڈی تو اہلِ بتکدہ میں پڑ گئی ہلچل برہمن سب کے سب کاکا کے جوتش کے ہوئے قائل

اس اثنا میں نکل کر اک یلِ جاں باز للکارا کہ جس سے گونج اٹھا میدانِ صحنِ بتکدہ سارا

ستمگر از سرِ نو برہمن میدان میں کودے بڑھے نصر من اللہ کہہ کے مسلم فوج کے دستے

وہ خوں آشام تلواریں وہ تلواروں کی جھنکاریں سواروں کی صف آرائی وہ جانبازوں کی للکاریں

بیک ساعت خدنگوں کا تصادم خود و مغفر سے وہ مغزِ استخواں اڑتے ہوئے ہر کاسۂ سر سے

وہ رقصِ سینہ و بازو وداعِ جانِ محزوں سے
وہ پہلو ہر طرف لتھڑے ہوئے فوّارۂ خوں سے

وہ ٹکراتے ہوئے خونِ رگِ گردن کے فوّارے
وہ بل کھاتے ہوئے ہر سوزمیں پر خون کے دھارے

وہ ٹکڑے قلب کے اُلجھے ہوئے شمشیر و پیکاں میں
سرو نکی بارشوں کا اِک نیا طوفان میداں میں

کمانیں ہاتھ سے چھوٹیں کمر سے گر پڑے خنجر
سواروں پر کہیں پیدل کہیں پیدل سوار و نیر

سرِ طاقِ اہلِ تبخانہ نے امیدِ ظفر رکھ دی
کمر سے کھولکر میدان میں تیغ و سپر رکھدی

ہوئے سندھی مقید دامِ ناکامی کے حلقے میں
گھرا اِک اِک برہمن فوجِ اسلامی کے حلقے میں

اِدھر شورِ سرودِ نغمۂ فتح و ظفر اُٹھا
امیرِ فوجِ مُسلم کا اُدھر سجدے سے سر اُٹھا

ستیزہ کاریوں پر لے گئی سبقت جبیں سائی
دُعا بابِ اجابت سے لئے فتح و ظفر آئی

ٹھہرتے جنگ میں کبتک کڑی رہتی کماں کبتک
نہ ہوتے اہلِ تبخانہ طلب گارِ اماں کبتک

جو دیکھا پیروانِ بودھ نے یہ جنگ کا منظر
لگے کہنے بصدِ حُسنِ عقیدت مجتمع ہو کر

رہا دم جنگ کا باقی نہ اب تیغِ مہند میں
اماں دے ابنِ قاسم آئے ہم دینِ محمدؐ میں

دکھائی غازیوں نے وہ شجاعت جوشِ ایماں میں
کہ ہندی فوج سے رکھوا دیا ہتھیار میداں میں

جب اُکھڑے پاؤں میداں سے پناہ جسم و جاں مانگی
اماں اُسکو خوشی سے دیگئی جس نے اماں مانگی

بجز اسکے نہ تھا کوئی علاجِ اضطرابِ دل
کہ فوجِ جنگ جو ہو ملّتِ اسلام میں داخل

گئے کچھ بھاگ کر سرکارِ داہر کی حمایت میں
کچھ آئے ہو کے مُسلم حلقۂ دامِ اُخوّت میں

نویدِ فتح و نصرت نے کچھ ایسا دل کو گرمایا
امیرِ لشکرِ اسلام نے خوش ہو کے فرمایا

بلا تخصیص ہو اک اجتماعِ عام میداں میں
سُنانا ہے مجھے اسلام کا پیغام میداں میں

سمٹ کر آگئے وہ بھی جو تھے سہمے ہوئے گھر میں
کھڑی ساری خدائی ہوگئی میدانِ محشر میں

بہ آوازِ دہل بولے مخاطب ہو کے لشکر سے
تمہیں واقف کروں کچھ طرزِ آئینِ پیمبر سے

کہ جو خود پرچمِ اسلام کے سائے میں آئیگا
وہ بھائی ہے مساوی حق مسلمانوں میں پائیگا

ہمیشہ لشکرِ اسلام اُس پر مہرباں ہوگا
اماں اُسکو ملے گی جو طلبگارِ اماں ہوگا

جسے مدِّ نظر ہو پاس اپنے دین و ملّت کا
وہ جزیہ سال بھر پر دیگا اسلامی حکومت کا

نہ ہوگی جبر یہ ہرگز کسی مذہب کی پامالی
نہ جائے گی کسی کی التجائے واجبی خالی

میں ہوں اُس سرزمینِ پاک کا ادنیٰ سا اک ذرہ
جہاں کچھ امتیازِ بندہ و آقا نہیں ہوتا

اصول اسلام کا قائم ہے سارا راست بازی پر
کہ رازِ صاحبی ہے منحصر بندہ نوازی پر

جنہیں اس حکم سے انکار از راہِ شقاوت ہے
فقط اُن مجرموں کے واسطے حکم غنیمت ہے

یہ سُن کر حسب دستورِ حکومت غازیانِ دیں
ہوئے مصروف تاراجیٔ بتخانے میں با تمکیں

وہ نقد و جنس عربوں کو ملے مالِ غنیمت میں
کئی دن تک منائی عید جوشِ فتح و نصرت میں

ہوئے داخل درونِ بتکدہ فوجیں دلیرانہ
مسلمانوں کا کعبہ بن گیا، دیبل کا بُتخانہ

مبارکباد کے نعروں سے تعمیرِ مکاں گونجی
بجائے نغمۂ ناقوس، آوازِ اذاں گونجی

کرم ایسا بھی ہوتا ہے، عتاب ایسا بھی ہوتا ہے
زمانے میں الٰہی انقلاب ایسا بھی ہوتا ہے

جہاں لہرا رہا تھا رات دن اصنام کا جھنڈا
وہاں سایہ فگن ہے لشکرِ اسلام کا جھنڈا

غلام ان کو کیا دعویٰ جو کرتے تھے خدائی کا
یہ ہے ادنیٰ کرشمہ تیری شانِ کبریائی کا

خلیفہ کا مقرر تھا جو حق مالِ غنیمت میں
روانہ کر دیا اونٹوں پہ سرکارِ خلافت میں

نمازِ شکر ادا کی غازیوں نے جوشِ عشرت میں
کیے سجدے پہ سجدے انبساطِ فتح و نصرت میں

مُسلمانوں نے کچھ اس طرح مقبولیت حاصل
عمائد خود بخود ہونے لگے اسلام میں داخل

فتح دیبل کے بعد اسلامی فوج کا قلعہ ہرون کی طرف رُخ کرنا اور فوجی ابن داہر کا قلعہ کو چھوڑ کر فرار ہونا اور مسلمانوں کا قبضہ کر لینا

ہوئی جب فتح دیبل کی خبر ہندوستاں بھر میں — بچھی گویا صفِ ماتم ہر اہلِ ہند کے گھر میں

یہ حالت کی شکستِ فاش کے خونیں مناظر نے — کہ داہر کو لکھا اک نامہ فوجی ابنِ داہر نے

یہ سیلابِ بلا اسلامیوں کا بڑھتا آتا ہے — جہاں بھی بھاگ کر جاتے ہیں مُنہ پر چڑھتا آتا ہے

حکومت بتکدے پر ہو گئی قرآن خوانوں کی — فضا میں گونجتی رہتی ہے آوازیں اذانوں کی

علاوہ ہندیوں کے پیروانِ بودھ کا حلقہ — بلا تحریک پڑھتا جاتا ہے اسلام کا کلمہ

یہی عالم رہا تو آئے گی اب اسکی نوبت بھی — کہ مٹ جائیگا ہندو دھرم بھی ہندو حکومت بھی

نہ جانے کونسا جادو ہے اسلامی حکومت میں — کہ ہندو خود بخود ہوتے ہیں شاملِ اس جماعت میں

اثر ہے نعرۂ تکبیرِ مُسلم میں قیامت کا — جو پنڈت تھا خدا جانے وہ کب کا مولوی نکلا

جو رکھتا تھا ہمیشہ رشتۂ زنّار گردن میں — وہ اب آتا ہے بنکر بُت شکن دیرِ برہمن میں

نظر آتا ہے رُخ بدلا ہوا سارے زمانے کا — ہمیں اب چھیڑتا ہے تِنکا تِنکا آشیانے کا

مجسم بن گئی ہے گردشِ تقدیر آنکھوں میں — پھرا کرتی ہے ہر دم موت کی تصویر آنکھوں میں

تحفظ کیلئے کب کوئی مستحکم رسالہ ہے — یہاں بھی قلعۂ ہرون پہ حملہ ہونیوالا ہے

بصد اندوہ و حسرت با دلِ ناشاد جاتا ہوں — ہراساں ہو کے سوئے برہمن آباد جاتا ہوں

سپرد اس قلعہ کو کرتا ہوں اک صاحبِ مروّت کو — زمانہ مانتا ہے جسکی ہمّت کو شجاعت کو

فراہم کر کے بھیجی جائے جلد اک فوج میدانمیں — جو ہلچل ڈالدے اسلامیوں کے جوشِ ایماں میں

اُٹھے سیلاب خوں سے اک نیا طوفان میدانمیں — نہا دھو کر زمانہ پاک ہو خونِ مسلماں میں

زمینِ ہند دشمن کے لہو سے لال ہو جائے — عرب کا نام مٹ جائے، عجم پامال ہو جائے

فنا ہو جائیں گے اہل عرب ہیں کتنے پانی میں — یہ خط لیکر ہوا قاصد روانہ راجدھانی میں

ادھر فوجی ہوا جب برہمن آباد میں داخل — اُدھر افواجِ مسلم بڑھ کے ہرون میں ہوئی نازل

ہوئیں ہرون میں داخل جب دمشق و شام کی فوجیں — بنِ قاسم امیرِ لشکرِ اسلام کی فوجیں

تو خالی کر کے بھاگا قلعہ دار قلعۂ ہرون
چھپے جا جا کے صحرا میں کچھ اپنی جان کے دشمن

تسلط ہو گیا اس قلعہ پر ایمان والوں کا
مقابل ہو سکا کوئی نہ اسلامی رسالوں کا

ہزاروں غیر مسلم آئے اسلامی جماعت میں
علاقے کا علاقہ آگیا مالِ غنیمت میں

ابھی تک کچھ نہ کچھ اہلِ عرب ہی اسمیں رہتے ہیں
ابھی تک سندھ والے حیدر آباد اسکو کہتے ہیں

قلعہ ہرون کی فتوحات کے بعد اسلامی فوج کا سوستان کی طرف رُخ کرنا اور برہمنوں پر فتح پانا

ہوا جب داخلہ افواجِ مُسلم کا سوستاں میں
نہ آیا سامنا کرنے برہمن کوئی میداں میں

تھے اس خطّے کے باشندے برہمن ہی زیادہ تر
جنہیں مندر کے پوجا پاٹ سے فرصت نہ تھی دم بھر

یہاں کے سب برہمن خونِ انسانی سے ڈرتے تھے
یہ مرنے مارنے کے نام سے پرہیز کرتے تھے

روا کس طرح رکھتے نیزہ و شمشیر کھانے کو
سمجھتے تھے مہا پاپ آدمی پر ہاتھ اُٹھانے کو

گئے گھبرا کے سب کچھ رائے کی سرکار والا میں | ہمیں جائے اماں اب دیکھیے قصرِ معلّیٰ میں

لڑیگا کون مسلم قوم کے جرّار و غازی سے | ملا سکتے نہیں آنکھ اپنی شیرانِ حجازی سے

ہے مرنا مارنا ان کے لئے داخل عبادات میں | ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں سر شوقِ شہادت میں

یہ وہ ہیں جن سے لڑ کر کوئی قابو پا نہیں سکتا | کہ سر کوہِ ہمالہ سے کوئی ٹکرا نہیں سکتا

ہے باایں چیرہ دستی رحم کی خو ان کی فطرت میں | یہ لے لیتے ہیں جس کو اپنے دامانِ اخوت میں

اُسے بندِ غم و آلام سے آزاد کرتے ہیں | اسی کے ساتھ جیتے ہیں اسی کے ساتھ مرتے ہیں

نہیں کچھ امتیازِ ملک و نسل و رنگ کا طوفاں | عرب ہو یا عجم دونوں پہ ہے انکی نظر یکساں

جو رہنا چاہتا ہے ان سے دنیا میں جدا ہو کر | اُسی پر ٹوٹ پڑتے ہیں یہ طوفانِ بلا ہو کر

نہیں شرکت کسی کی جیسے شانِ کبریائی میں | حکومت اپنی قائم کر کے چھوڑیں گے خدائی میں

یہ بہتر ہے کہ چل کر ابن قاسم سے اماں مانگیں | ہم اپنی زندگی کی فوجِ مُسلم سے اماں مانگیں

سُنی کچھ رائے نے جب برہمن زادوں کی تقریریں | اُبھر آئیں وفورِ غیظ سے ماتھے کی تحریریں

لگا کہنے میں اپنے ملک و ملّت کا فدائی ہوں | پھر اُس پر یہ کہ داہر کا چچیرہ خاص بھائی ہوں

برہمن دیوتا تم ہو تمہارا ظرف عالی ہے
مسلمانوں سے مل جانا بڑی کوتہ خیالی ہے

جوانمردوں کا شیوہ ہے جہاں میں نام کر جانا
کہیں بہتر ہے ایسی زندگی سے لڑ کے مر جانا

ابھی ہے جنگ باقی، فتح کا امکان باقی ہے
ہم ایسا کیوں کریں جبتک ہماری جان باقی ہے

ہمارے سر پہ کرپا ایشور کی سایہ گستر ہے
عرب کیا چیز ہے، سارا زمانہ ہو تو کیا ڈر ہے

جو ہمت کی تو دنیا بھر کے دشمن پر ظفر پائی
اکیلے رام جی نے لڑ کے راون پر ظفر پائی

چچا کب دبدبہ آنکھوں میں دریودھن کی شوکت کا
زمانہ آجتک ہے معترف پانڈونکی ہمت کا

ہمارے خون میں بھی ہے وہی ابتک اثر باقی
وہی ہم ہیں، وہی ہے اپنے سینے میں جگر باقی

اس اثنا میں اٹھی طوفاں نما اک گرد میدانمیں
کہ جس سے ہوگیا اک زلزلہ پیدا سوستاں میں

برہمن چھوڑ کر گھربار اپنا دفعتاً بھاگے
جو آگے تھے ہوئے پیچھے، جو پیچھے تھے ہوئے آگے

وفورِ بیدلی سے یہ ہوا کچھ راے کا عالم
وہ لیکر راجپوتی فوج بھاگا جانب سلسم[1]

---

[1] سندھ کا مشہور مقام

راجہ داہر والیٔ سندھ کے دو بیٹوں کا جنگ کے لئے آنا اور والیٔ سلسم اور کچھ راۓ کی حمایت میں جنگ کرنا شہسواران اسلام کے گھوڑوں کا بیکار ہونا۔ ایران سے تین ہزار گھوڑوں کا آنا

جنگ میں ہر دو فریق کا مغلوب نہ ہونا

ملا داہر کو جس دم نامہ فوجی ابن داہر کا ‌‌ نظر میں سندھ کی بربادیوں کا پھر گیا نقشا

بڑھا جذبہ یہ کچھ اتنا اضطراب ملک و ملت کا ‌‌ ہوا اک اجتماع عام اراکین حکومت کا

پڑی ہلچل قیامت خیز داہر کی حکومت میں ‌‌ سمٹ کر راجگان ملک آ پہونچے حمایت میں

تو داہر نے مخاطب ہو کے یہ ارشاد فرمایا ‌‌ رہیگا دھرم کبتک جب حکومت پر زوال آیا

تمہیں کچھ آج اے سندھی سپوتو اسکی غیرت ہے ‌‌ سوستاں جاچکا، ہرون گیا، سلسم کی نوبت ہے

ہم اپنے جد و آبا کی نشانی کھونے جاتے ہیں ‌‌ ہمیشہ اک نئے خونریز حملے ہوتے جاتے ہیں

نہ کام آئیں تو پھر اتنے بھی ناکارے نہ بنجائیں ‌‌ یہ مندر کے کلس مسجد کے مینارے نہ بن جائیں

ہماری قوم کا اِک اِک جواں ہے لاکھ پر بھاری
وراثت میں ملی ہے ہمکو ارجن کی کمانداری

سمجھتا ہے زمانہ وارثِ تیغ و خدنگ اب تک
نگاہوں میں جھانکی ہے مہابھارت کی جنگ اب تک

نظر میدان میں ہم سے ملائیں اُنمیں دم کیا ہے
ہماری تیغ کے آگے عرب کیا ہے عجم کیا ہے

ترحّم ہم نے مانا جوہرِ آئینِ فطرت ہے
مگر دشمن پہ احساں ملک و ملّت کی عداوت ہے

چمک اٹھّے پھر اکبار آج تقدیرِ صنم خانہ
حریمِ کعبہ پھر ہو جائے تعمیرِ صنم خانہ

امیرِ لشکرِ اسلام کا نیزے پہ سر لائیں
جو زندہ ہاتھ آجائے، تو زندہ باندھکر لائیں

یہ سُن کر سر فروشانِ وطن کا خون گرمایا
لہو ہر سُورما کی آنکھ میں گویا اُتر آیا

نئے سر سے ہر اہلِ سندھ نے عہدِ وفا باندھا
مرتب ہو گیا دم بھر میں سندھی فوج کا دستہ

زمانہ گونج اٹھّا سازِ جنگی کی الاپوں سے
زمیں بَن بَن کے گرد اڑ گئی گھوڑوں کی ٹاپوں سے

کہیں بڑھتی ہوئی فوجِ مسلّح شہسوارانہ
کہیں پیلان پا انداز کی رفتارِ شیرانہ

کہیں تیر و کماں تانے کمانداروں کا اِک میلا
کہیں سرگرمیوں کیساتھ پیدل فوج کا ریلا

کہیں والیٔ سلسم اپنے تیر انداز پر نازاں
کہیں کچھ رائے اپنے لشکرِ جانباز پر قصاں

کہیں شیرانِ سندھی کا وفورِ ذوق گیرائی
کہیں فوجِ جگر بندانِ داہر کی صف آرائی

کہیں اُمنڈا ہوا طوفان سنان و تیر پیکاں کا
کہیں بڑھتا ہوا سیلاب آبِ تیغ عریاں کا

زرہ کی چاق جُستی جگمگاہٹ خود و مغفر کی
پھر اُس پر بجلیاں پر بجلیاں شمشیر و خنجر کی

ہوئی افواجِ سندھی خیمہ زن کوہ و بیاباں میں
غرض اک حشر کا ساماں تھا سلسلم کے میداں میں

اِدھر کرتی ہوئی یلغار مسلم فوج آپہونچی
سواروں کی دھمک سے سرزمیں سلسلم کی کانپ اٹھی

جو آئی نعرۂ تکبیر کی آواز کانوں میں
تو لرزہ پڑگیا ہر پہلواں کی استخوانوں میں

قرینے سے ہوئے خیمے کھڑے جرّار و غازی کے
بجائے نوبتی نے داخلے فوجِ حجازی کے

بنی اک بارگاہِ ابنِ قاسم قلب لشکر میں
ہوا استادہ اورنگِ مرصع خیمۂ زر میں

جسے قدموں سے عزّت دی امیرِ فوجِ مسلم نے
شرف بخشا عماد الدیں محمد ابن قاسم نے

اذاں دی اندرونِ فوج اک ترکِ حجازی نے
تو پھیلائے مُصلّے اپنے ہر نمازی نے

تمیز اصلا نہ تھی محتاجی و دولت پناہی میں
ہوئی استادہ مُسلم فوج درگاہِ الٰہی میں

لبِ خاموش خاموشی میں صرفِ التجا بھی تھے
جہاں پائے طلب بھی تھے وہاں دستِ دعا بھی تھے

ادا سجدے پہ سجدے ہو چکے جب قبلہ رُو ہو کر
مُصلّے سے اُٹھی افواجِ مسلم سرخرو ہو کر

امیرِ فوج نے بالمشورہ داہر کو خط لکھا
کہ قبل از جنگ مجھکو تجھسے کہنا ہے فقط اتنا

نہ ہو نازاں عروجِ احترامِ تاج شاہی پر
وہ فرزانہ ہے جو رکھے نظر ملکی تباہی پر

تمیز نیک و بد بھی چاہیئے کچھ دوست دشمن میں
لگا پھانسی نہ اپنے ہاتھ سے تو اپنی گردن میں

ترے دلمیں نہیں کیا خوف مظلوموں کی آہوں کا
کہاں جائیگا اتنا خونِ ناحق بے گناہوں کا

ہماری بھی نجاتِ دائمی ہو تو بھی بچ جائے
سبق بھولا ہوا "اَلصُّلحُ خَیرًا" کا جو یاد آئے

اُٹھا دے اپنے دل سے تو خیالِ رزم آرائی
مناسب ہے اب اِسلامی شرائط کی پذیرائی

اُنہیں دشمن سمجھ رکھا ہے جو ہیں خیر خواہوں میں
تری فوجیں سما سکتی نہیں میری نگاہوں میں

مجھے افسوس آتا ہے فقط تیری تباہی پر
ظفر نیدونکی ہو سکتی نہیں فوجِ الٰہی پر

مناسب تھا جو کہنا کہدیا بے مدعا سمجھے
اب اس پر بھی نہ تو سمجھے، تو پھر تجھسے خدا سمجھے

پیامی لے گیا یہ نامہ جب داہر کی خدمت میں
بھڑک اٹّھا مثالِ شعلہ وہ جوشِ عداوت میں

جواب اس کا دبیرِ سلطنت سے اُس نے لکھوایا
مری فوجِ گراں کا رعب شاید تجھ پہ ہے چھایا

دمِ پیکار عجز و صلح کے مضموں نہیں چلتے
جہاں تلوار چلتی ہے وہاں افسوں نہیں چلتے

سرِ میداں جو ترکِ آسماں کو سوجھی شب خوں کی
تو آنکھیں کھل گئیں زنّار دارِ دہر گردوں کی

کئے ناوک پہ ناوک سر شعاعِ مہرِ تاباں نے
افق سے پاؤں اکھڑے لشکرِ جرّار انجم کے

ہوئی خونِ شفق سے ساری دنیا کی فضا رنگیں
ہوا ہر گوشۂ دامانِ صبحِ دلکشا رنگیں

رجز خوانانِ گلشن نکلے اپنے آشیانوں سے
کہ ناوک چھوٹ کر جیسے گریزاں ہو کمانوں سے

اُدھر افواجِ داہر میں لگے طبل و دُہل بجنے
سلاحِ جنگ اِدھر اسلام کی فوجیں لگیں سجنے

دو رویا منظرِ سیلابِ خونیں کفر و ایماں کا
دو طرفہ ایک طوفاں خنجر و شمشیر و پیکاں کا

اڑے بڑھ بڑھ کے نیزہ باز، نیزہ باز کے آگے
بڑھے تن تن کے تیر انداز، تیر انداز کے آگے

سواروں پر سوار امنڈے ہوئے نصرت کی تصویریں
نظر بدلے ہوئے، تولے ہوئے ہاتھوں میں شمشیریں

بڑھے پیدل کے مُنہ پر برچھیاں تانے ہوئے پیدل
گرے نیزوں کی زد پر جیسے بم سے ٹوٹ کر بادل

ہوا پھر ناوک اندازوں کو حکم ناوک اندازی
نظر آنے لگا اک منظرِ دنیائے جانبازی

جو صف ہوتی تھی آگے نذرِ پیکاں ہوتی جاتی تھی
کمانوں کی کڑک محشر بداماں ہوتی جاتی تھی

وفورِ بارشِ پیکاں سے اٹھا اک نیا طوفاں
گریں لاشوں پہ لاشیں زخمیوں سے پٹ گیا میداں

نظر آنے لگا اِک ڈھیر ہر سُو سینہ و سر کا
اٹھی کالی گھٹا ڈھالوں کی اور تیروں کا منہہ برسا

جو تیروں کے پروں سے دشت میں ابرِ سیہ چھایا
کہیں پر دھوپ سایہ میں کہیں تھا دھوپ میں سایہ

پڑے تھے خاک پر ہر سمت ٹکڑے دست و بازو کے
ہوئے ہر زخم میں پیوستہ پھل تیر سہ پہلو کے

اُدھر جھلکے شجاعانِ عراق و شام کے چھوٹے
ادھر سارے گھمنڈ افواج اہل سندھ کے ٹوٹے

تو للکارا نکل کر لشکر مسلم سے اک غازی
کوئی ہے جو کرے میرے مقابل آکے جانبازی

تو نکلا اس طرف اک پہلواں داہر کے لشکر سے
لدا تھا جو کمان و نیزہ و شمشیر و خنجر سے

اکڑتا پیچ و خم کھاتا ہوا تن تن کے مستی میں
بڑھا پیلِ دماں کی طرح جوشِ خود پرستی میں

ہوا غازی بھی آگے بڑھ کے سرگرم رجز خوانی
ہمارے سر پہ ہے سایہ فگن تائیدِ ربانی

کسی نے جنگ میں اب تک ہمیں ہٹتے نہیں دیکھا
یہ وہ سر ہے کسی در پر جسے جھکتے نہیں دیکھا

یہ وہ بازو ہیں جن سے بچ کے جاتا ہی نہیں کوئی
ہماری چشم حق بیں میں سماتا ہی نہیں کوئی

ہمارا سینہ وقفِ نیزہ و شمشیر و پیکاں ہے
بجز خوفِ خدا اک بے اسمیں خوفِ نوعِ انساں ہے

کمر سے اپنی شمشیر دو سر کھولی نہیں جاتی ظفر جبتک نہیں ہوتی کمر کھولی نہیں جاتی

ہمیشہ رہ کے ہم ثابت قدم میدانمیں لڑتے ہیں بڑھاتے ہیں قدم جب پاؤں دشمن کے اکھڑتے ہیں

عدو کے حق میں ہم سرتاپا قہر الہیٰ ہیں کوئی جانبر نہ ہوگا ہم سے، ہم مسلم سپاہی ہیں

یہ سننا تھا کہ بس اُس نے کیا اک وار خنجر کا جسے رد کر کے غازی نے لگایا خنجر اک ایسا

گرا پشت فرس سے خاک پر وہ اک سے دو ہوکر ہوا ہر عضو ٹھنڈا خاک و خوں آلودہ ہوہو کر

تو پھر دو پہلواں جھپٹے بصد غیظ اُس مسلماں پر تڑپ کر جس طرح بجلی گرے نخلِ گلستاں پر

کہا غازی نے اپنے دل سے تنہا ہوں اِدھر اک ہیں شگونِ نیک ہے یہ بھی کہ پہلے ہی سے یہ دو ہیں

ابھی تلوار سے میں انکے سینے چاک کرتا ہوں ابھی دو ہاتھ میں دونوں کا قصّہ پاک کرتا ہوں

بڑھا جب ایک تو غازی نے ماری تیغ گردن پر زمیں پر ہو گئے دو ٹکڑے گرا ٹھیرا نہ توسن پر

کیا جب دوسرے نے بھاگنے کا قصد میداں سے اُسے بھی کر دیا دو ٹکڑے بڑھکر تیغ بُرّاں سے

نکل کر فوجِ داہر سے نہ پھر جب ہم نبرد آیا تو شیرانہ سوئے فوجِ عدو وہ شیر مرد آیا

جدھر غصّے میں رخ ہوتا تھا اک ستھراؤ کرتا تھا کوئی پامال ہوتا تھا کوئی دہشت سے مرتا تھا

رہا افواجِ داہر میں نہ کچھ یارائے جانبازی | شجاعانِ عرب کے بھی ہوئے بیکار کچھ تازی

حصولِ کامیابی کی نہ جب صورت کوئی دیکھی | تو پھر دونوں طرف سے التوائے جنگ کی ٹھیری

خلیفہ کو امیرِ فوج نے اک نامہ لکھ بھیجا | کہ جسمیں التوائے جنگ کا بھی خاص مضموں تھا

ہوا یہ حکم صادر حاکمِ بصرہ کے ایواں سے | کہ جائیں سہ ہزار اسپ سُبک رفتار ایراں سے

یکایک آگئے ایراں سے وہ اڑتے ہوئے تازی | طرارے جسکے تھے پروردہ میدان جانبازی

سوارانِ عراق و شام نے جوشِ مسرت میں | سلامی دی امیرِ فوج اسلامی کی خدمت میں

ہوا مخصوص گھوڑا فوج میں جو جسکے شایاں تھا | بنا اک اک سپاہی اِک مرقع فتح و نصرت کا

امیرِ فوج نے اِک مجلسِ شوریٰ مرتب کی | کہ جسمیں جنگ کے ممتاز جانبازوں کی شرکت تھی

شجاعانِ عرب کو یوں مخاطب کرکے فرمایا | تمہیں پر آج پھبتا ہے لقب فوجِ الٰہی کا

نہ جانے دشمنوں میں کونسی تدبیر ہوتی ہے | بہت دم لے چکے اب جنگ میں تاخیر ہوتی ہے

سرِ دربار داہر اک پیامی جائے فرزانہ | شرائط فوجِ اسلامی کی جو کہدے دلیرانہ

بالآخر مولوی پنڈت[1] گئے دربارِ داہر میں | گذارش جاکے کی باشندۂ سرکار داہر میں

[1] اک برہمن جو مسلمان ہو چکا تھا

کہ اے فرمانروائے سندھ فخرِ ملکِ ہندستاں
ترا اقبال تجھ سے ہو چکا ہے آج روگرداں

یہ بہتر ہے کہ تو ہو ملّتِ اسلام میں داخل
قبیلے پر ترے ہوں رحمتیں اللہ کی نازل

نہیں تو پھر شرائط مان لے دینِ الٰہی کی
نظر آتی نہیں اب خیر تیرے تاج شاہی کی

یہ مُسلم تیری کشتی غرقِ طوفاں کر کے چھوڑینگے
جہاں پر انکشافِ رازِ دوراں کر کے چھوڑینگے

خدا نے انکو بخشا ہے شرف اپنی خلافت کا
یہ ہے اک محکمہ معبودِ مطلق کی حکومت کا

کہے کچھ کوئی لیکن آج اپنا یہ عقیدہ ہے
کہ سارے مذہبوں میں مذہبِ اسلام سچّا ہے

عجب مضبوط رشتہ اِن میں ہے دامِ اُخوت کا
سپاہی اور سلطاں فرق ہے دونوں میں خدمت کا

لگے قدموں میں ٹھیس آنکھوں سے موجِ خونچکاں اٹھّے
جو مشرق پر گرے بجلی تو مغرب سے دھواں اٹّھے

اُخوت میں مسلماں آج کتنے سرخرو نکلے
عجم والوں کا دل چیریں، تو عربوں کا لہو نکلے

ظفر جو لڑ کے پائے ان سے کون عالم میں لیتا ہے
جہاں میں ہاتھ بھر کا کس کے سینے میں کلیجہ ہے

نہ جانے سب نے کیا دیکھا ہے کیا دلمیں سمائی ہے
کہ ساری بودھ قوم اسلام پر ایمان لائی ہے

بلا جبر و تشدّد بچہ بچہ زیرِ فرماں ہے
زمانہ طرزِ اسلامی حکومت کا ثنا خواں ہے

سنی داہر نے جب یہ مولوی پنڈت کی تقریریں ۔ بنی اِک اِک شکن ماتھے کی خوں آشام شمشیریں

کہا اک بدنُما دھبّہ ہے تو دامانِ ہمت پر ۔ بہت افسوس آتا ہے مجھے تیری حماقت پر

ابھی تجھکو چکھا دیتا مزہ اس بدلگامی کا ۔ حکومت پر تحفظ فرض ہے لیکن پیامی کا

تری گستاخ تقریروں سے جو ہوتا وہ کم ہوتا ۔ ترش جاتی زباں تیری، ترا سر بھی قلم ہوتا

صف آرا ساتھ جانبازوں کے جب میداں میں ہم ہونگے ۔ تو پھر اہلِ عرب ہوں گے، نہ پھر اہلِ عجم ہونگے

لہو میں گردنیں بہہ جائینگی ہر ترک و تازی کی ۔ اُلٹ دینگی مری فوجیں صفیں فوجِ حجازی کی

دیا پھر افسرانِ جنگ کو حکم صف آرائی ۔ اٹھی الور سے اور میدانِ سلسلم پر گھٹا چھائی

دو طرفہ سندھ و ملتانی سواروں کا بنا دستہ ۔ دو رویہ نیزہ و شمشیر کا بہتا ہوا دریا

وہ پیلانِ سُبک رفتار کی رفتار مستانہ ۔ ادا سے جھومنا اور فطرتی انداز شیرانہ

وہ گھوڑے جنگی ٹاپوں سے زمیں پانی اُگل ڈالے ۔ زمیں کیا آسماں کا سر بھی قدموں سے کچل ڈالے

وہ جانبازوں کا ریلا، ہمہمہ وہ شہسواروں کا ۔ وہ پیکانوں کی ہر ٹکراؤ پر اڑنا شراروں کا

رجز پڑھتے ہوئے ہاتھوں میں شمشیر دو دم تولے ۔ جلو میں سر ہتھیلی پر لئے کالے علم کھولے

صدائے صورِ اسرافیل نقّاروں کی للکاریں — وہ تلواروں پہ تلواریں وہ جھنکاروں پہ جھنکاریں

وہ نیزے تشنگی میں خون جو چوسیں رگِ جاں کا — ڈبو دے ساری دنیا کو وہ پانی تیغ برّاں کا

وہ پیکاں کھینچ دیں جو موت کی تصویر میدانمیں — وہ بھالے جس کے آگے دم بخود شمشیر میدانمیں

وہ تلواریں کہ دھاریں جنکی لوہے کا جگر کاٹیں — وہ پیکاں جنکی نوکیں سنگ خارا کا لہو چاٹیں

وہ اگنی بان کی چنگاریاں اڑتی ہوئی ہر سو — قضا کا بھی نہ جس کے سامنے کچھ چل سکے قابو

وہ تیروں کا سرِ میدان ہم آغوشِ کماں ہونا — نکلنا روح کا اور طائرِ بے آشیاں ہونا

وہ جوشِ قتل و غارت وہ تصادم کفر و ایماں کا — وہ ہنگامہ وہ ہلچل اک تلاطم موج طوفاں کا

وہ جنگی ساز کی میدان میں پُر ہول آوازیں — وہ رہ رہ کر دھڑکنا دل کا اور روحونکی پروازیں

تڑپ ہر نقل و حرکت سے نمایاں گرمجوشی کی — سرورِ زندگی دل میں امنگیں سرفروشی کی

اُمید و بیم کا بڑھتا ہوا سیلاب بے پایاں — کہیں چلتی ہوئی آندھی کہیں اٹھتا ہوا طوفاں

کسی کی چال میں سرگرمیٔ پندارِ جانبازی — کسی کے سر میں سودائے غرورِ ناوک اندازی

کمانداروں کی صف جھڑے ہوئے ناوک کمانوں میں — بدن میں جان چھپتی ہے بدن چھپتے ہیں جانوں میں

جدھر اٹھتے ہیں خنجر موت کی تصویر پھرتی ہے جہاں تلوار کا پڑتا ہے عکس اِک برق گرتی ہے
اس اثنا میں ہوا چاروں طرف اک تہلکہ پیدا سرِ میداں سوار ہودج فیلِ سفید[1] آیا

راجہ داہر فرمانروائے سندھ کا فوجی لباس میں جنگ کیلئے میدان میں آنا اور پہلے روز جنگ کرنا مگر فریقین کا ناکامیاب رہنا

وہ ہودج اور زریں جھول وہ فیلِ سفید اُسکا سنہری کنگنیاں دانتوں میں اُسکا جھوم کر چلنا
لپک کرتی تھی اک اک گام پر اک زلزلہ پیدا صدا گھنٹوں کی ہر دم کام کرتی تھی نقیبوں کا
نگل جائے نہ لیکر سونڈ میں ہر مرد میداں کو کچل ڈالے نہ قدموں سے عراق و شام و ایراں کو
زمانہ صورتِ تصویر سرگرم نظارہ تھا سرِ ہودج بڑی شوکت سے داہر جلوہ آرا تھا
بصد غیظ و عتاب افواج دشمن سے لڑی آنکھیں بھویں تنتی ہوئیں آہو کی آنکھوں سے بڑی آنکھیں
عتاب آلودہ آنکھیں جنمیں کچھ کچھ سرخ ڈورے ہیں مئے بغض و عداوت کے چھلکتے دو کٹورے ہیں

[1] شاہی ہاتھی اس دور میں سفید ہوا کرتا تھا۔

میانہ قد کشادہ سینہ اور تنتے ہوئے شانے
غرورِ زور بازو سے جواں بنتے ہوئے شانے

کساوٹ بازوؤں میں سانولی صورت نظر چنچل
گلے میں صندلی مالا جبیں پر قشقہ صندل

حسیں رعب آفریں کچھ خام کچھ پختہ کڑی مونچھیں
نکیلی برچھیوں سی تمکنت پرور کھڑی مونچھیں

جھلم چہرے پر سر پر خود چار آئینہ سینے پر
کماں مٹھی میں ترکش دوش پر زیبِ کمر خنجر

سوئے لشکر مخاطب ہو کے سرگرمِ رجز خوانی
دکھا دو دشمنوں کو جوہرِ شمشیرِ بُرّانی

کوئی انسان پڑھ سکتا نہیں تحریر قسمت کی
تمہارے ہاتھ میں ہے آبرو تاجِ حکومت کی

مہابھارت جہاں کی سرزمیں کا کارنامہ ہو
سرِ میداں جہاں ارجن سا تیر انداز پیدا ہو

جہاں ویروں نے باندھے باندھ بے پایاں سمندر میں
دکھا دیں خون کی سرگرمیاں راون کے لشکر میں

وہیں جھنڈا گڑے کنگال اچھوتی حکومت کا
وہیں دیکھیں مری آنکھیں زوالِ اقبال و دولت کا

مرے شیرو بڑھو اور بڑھ کے تلواروں پہ سر رکھ دو
صفوں میں پل پڑو نیزے کی نوکوں پر جگر رکھ دو

سوارانِ عراق و شام پر تلوار برسا دو
شجاعانِ عرب کے خون میں گھوڑوں کو تیرا دو

نکالو حوصلے جی کھول کر شمشیر و پیکاں کا
لیا جائے عوض اچھی طرح دیبل کے میداں کا

گلے کٹ جائیں لیکن ہاتھ سے چھوٹیں نہ تلواریں
پنہا دو تو سہی اسلام کی گردن میں زنّاریں

فلک سے آگ برسے بجلیاں برسیں لہو برسے
نہ اُکھڑے پاؤں چلتے ہاتھ بازی گاہ لشکر سے

لہو سے گرمیاں ٹھنڈی کرو شمشیر بُرّاں کی
منائی جائے ہولی دھوم سے خونِ شہیدانکی

مرے ساونت ابکے جنگ کا نقشا بدل ڈالو
جو خنجر سے بچیں گھوڑونکی ٹاپوں سے کچل ڈالو

کچھ ایسی غرقِ طوفاں کشتیٔ فوجِ حجازی ہو
نہ افسر ہو، نہ لشکر ہو، نہ غازی ہو، نہ تازی ہو

اِدھر داہر سرِ میداں تھا سرگرم صف آرائی
یکایک نعرۂ اَللّٰہُ اَکبر کی صدا آئی

نظر آنے لگی تلوار پر تلوار میداں میں
کھڑی گویا ہوئی اژدھات کی دیوار میدانمیں

نئے سر سے ہوئیں صف بندیاں فوجِ منظم کی
صدائیں گونج اٹھیں طبل و دہل کے شورِ پیہم کی

سلاحِ جنگ سے ڈوبے ہوئے فولاد میں غازی
زمیں پر فرطِ سرعت سے قدم رکھتے نہ تھے تازی

طبیعت برق کی آندھی کی خو پہلے کی تاثیریں
ہوا کے دوش پر اُڑتی ہوئی سرعت کی تصویریں

کماں سے چھوٹ کر ناوک نہ مُنہ دیکھے نشانے کا
یہ اک مہمیز میں چکّر لگا آئیں زمانے کا

سوارونکی صفوں سے ناوک اندازونکی صف آگے
کوئی دہنے کوئی بائیں کوئی خنجر بکف آگے

وہ تلواریں کہ ڈوبی جا رہی ہیں ہر رگِ جاں میں
یہ ہیں وہ مچھلیاں جو تیرتی ہیں خونِ انساں میں

وہ پیغامِ قضا تاجِ حکومت کی بقا جس سے
وہ خونیں مردِ میداں کانپتے ہیں سورما سے

زمانے کی تباہی بھی فروغِ تاجِ شاہی بھی
وہ محبوبہ ہے مفتوں جس پہ سلطاں بھی سپاہی بھی

عدو کا ذکر کیا فولاد کو کھا جائے میداں میں
یہ مرگِ ناگہانی ہاتھ ہے پھیلائے میداں میں

وہ پیکاں خود و مغفر جن کے منہ پر چڑھ نہیں سکتے
دمِ پیکار نیزے جن سے آگے بڑھ نہیں سکتے

انہیں مٹھی میں لے سکتی نہیں طاقت کمانونکی
کہ بوڑھوں کی امنگ آ ہی نہیں سکتی جوانونکی

ادھر چھوٹے کمانوں سے ادھر پہونچے نشانے تک
یہ طائر پھر نہیں آتے پلٹ کر آشیانے تک

وہ نیزے جن پہ ہیں اہلِ عرب اہلِ عجم نازاں
لچک پر جنکی وقتِ جنگ مرگِ ناگہاں قرباں

نگل جائینگے یہ بانکے سجیلے نوجوانوں کو
وفورِ غیظ سے اژدر نکالے ہیں زبانوں کو

امیرِ فوج نے اتنے میں کی تقریرِ پُرافسوں
دلائی یاد اگلے کارنامونکی بہ ایں مضموں

کہ اے شمعِ حریمِ ملتِ بیضا کے پروانو
تم اپنے آپ کو جانو تم اپنی شان پہچانو

زمانے کی مہم سر کر کے رکھدی کس کے خنجر نے
پرِ جبرئیل کاٹے کس کی شمشیرِ دو پیکر نے

رہا بدر و احد میں بول بالا کسکی ہمت کا — کھلا خیبر میں دنیا بھر پہ عقدہ کسکی طاقت کا

رہا سینہ سپر اڑ اڑ کے تلواروں میں سر کس کا — رہا خنجر بکف نیزے کی نوکوں پر جگر کس کا

کلیجے دوڑ کر رکھ رکھ دیئے کس نے خدنگوں پر — چڑھائے کس نے اپنے خون کے نذرانے جنگوں پر

جہاں میں ایک ہلچل ڈالدی کسکی شجاعت نے — جھکائے قیصر و کسریٰ کے سر کسکی صداقت نے

جھلس جائینگے دشمن شعلۂ شمشیرِ بُرّاں سے — لڑیں گے کیا جو ہیں بھاگے ہوئے دیبل کے میداں سے

ظفر منڈلا رہی ہے آج کس کی نوکِ پیکاں پر — بڑھو اور بڑھ کے جھنڈا گاڑ دو داہر کے ایواں پر

جلائے جائیں پھر گھی کے چراغ اللہ کے گھر میں — مگر کھلوا اذانیں دیجیے تم کاشی کے مندر میں

سرِ میداں یہ ایں ترتیب ہو آغاز جانبازی — کہ پہلے نیزہ پھر تلوار، پھر ہو ناوک اندازی

یہ سُن کر نیزہ بازوں نے نکالے اپنے گھوڑوں کو — سنبھالے اپنے نیزوں کو، اُچھالے اپنے گھوڑوں کو

پڑھا نصرٌ من اللہ اور میدانمیں بڑھے غازی — لگا کر نعرۂ اللّٰہُ اکبر رن چڑھے غازی

اُدھر داہر کے لشکر سے نکل کر نیزہ باز آئے — نظر بدلے ہوئے بپھرے ہوئے نیزوں کو چمکائے

مسلسل بجلیاں گرنے لگیں پڑنے لگے نیزے — بدل کر پینترے پر پینترے لڑنے لگے نیزے

پڑے پہلو پہ جس کے اُس کا پہلو توڑ کر نکلے ‌‌ جو شانے کی طرف پلٹے تو بازو توڑ کر نکلے

جو زد پر آتے آتے آگیا نیزوں کی نوکوں پر ‌‌ اُسے عربوں نے دے ٹپکا زمیں پر دیکے اک چکّر

لہو میں ڈوب کر نکلا، لہو میں ہو کے تر نکلا ‌‌ حکومت کا سپاہی سُرخ پگڑی باندھ کر نکلا

وہ کالے ناگ ہیں پیکا جنہیں ہے خونِ انساں کا ‌‌ لہو بھی چپکے چپکے چاٹ لیتے ہیں رگِ جاں کا

کوئی سندھی پلٹ کر جا سکا زندہ نہ میداں سے ‌‌ ہلاکت میں رہا دو ہاتھ آگے تیغِ بُرّاں سے

دو طرفہ آئیں پھر شمشیر زن فوجیں سرِ میداں ‌‌ نظر آنے لگیں گویا ہوا میں بجلیاں رقصاں

اِدھر ہیں بارشوں پر بارشیں شمشیرِ بُرّاں کی ‌‌ ادھر ہونے لگیں بربادیاں بنیادِ تن و جاں کی

بڑھی جس صف کی جانب اُسکی گردن کاٹ کر نکلی ‌‌ بدن کیا، ہر رگِ جاں کا لہو تک چاٹ کر نکلی

نجانے ناچتی ہیں کتنی بالائے زمیں گردن ‌‌ کہیں پہلو، کہیں بازو، کہیں شانہ، کہیں گردن

فرشتے موت کے گم ہیں قضا بچکر نکلتی ہے ‌‌ جہاں پڑتا ہے سایہ تیغ کا تلوار چلتی ہے

لہو میں ڈوبتی کھنچتی ہوئی تنتی ہوئی آئی ‌‌ ادا سے ناز سے چلتی دُلہن بنتی ہوئی آئی

جدھر جاتے ہیں غازی بجلیاں بنکر برستے ہیں ‌‌ لہو کی بارشِ پیہم سے ہر دم سر برستے ہیں

سرو گردن سے اک فوارۂ خونیں اُبلتے ہیں
سرِ میداں زمیں سے چشمۂ رنگیں اُبلتے ہیں

ادھر سندھی سواروں کو ہوئی میدانمیں ناکامی
اُدھر تھی خون میں لتھڑی ہوئی افواجِ اسلامی

تھکے جب شہسوارانِ عراق و شام کے گھوڑے
کمانداروںکی صف بندھنے لگی تیر و کماں جوڑے

حجازی اکطرف تھے، اِک طرف ہندوستاں والے
زمیں کو دیکھتے تھے سر جھکا کر آسماں والے

ہوئی دونوں طرف سے جنگ میں صورت نئی پیدا
کمانوںکی کڑک نے کی نئی اک زندگی پیدا

کماں کا حوصلہ بھرپور اُس پر زور پیکاں کا
یہ ناگن اڑکے پیتی ہے لہو ہر مردِ میداں کا

معاً چار آئینے کو توڑنا سینے میں گھر کرنا
اسی کا کام تھا لوہے کی دیوارونمیں در کرنا

اڑا کر لے گیا ساتھ اپنے اُن شامت کے ماروں کو
فرشتے موت کے ڈھونڈھیں کہاں تک شہسواروں کو

لہو اڑ اڑ کے چھو سکتا تھا کیونکر بے گناہوں کا
کہ آئینے میں تر ہوتا نہیں دامن نگاہوں کا

ملی ہے فطرتی پرواز اتنی اِن پرندوں کو
عدم تک جاکے پہونچا دیتے ہیں دم بھر میں زندونکو

گریں لاشوں پہ لاشیں ہوگئی لشکر کی پامالی
کمانیں جھک گئیں ترکش کے ترکش ہوگئے خالی

نہ تیرونمیں سکت تھی کچھ نہ تلواروں میں دم باقی
نہ عربوں میں نہ تھا ہندی کمانداروں میں دم باقی

لہو کی ندّیاں بہنے لگیں ہر سمت میداں میں — ہوئی ہر کشتیٔ عمرِ رواں غرقاب طوفاں میں

کہیں لپٹے ہوئے ٹکڑے جگر کے نوکِ خنجر سے — کہیں اڑتے تھے مغزِ استخواں ہر کاسۂ سر سے

کہیں روحوں نے چھوڑے آشیانے جسمِ انساں کے — لہو میں تر کہیں ٹوٹے ہوئے پَر طائرِ جاں کے

کہیں بکھری ہوئی تصویر مرگِ ناگہانی کی — کہیں مٹتی ہوئی صورت امیدِ زندگانی کی

کہیں چبھتی ہوئی نیزے کی نوکیں صدر و بازو پر — کہیں دل خون میں لتھڑے ہوئے تیر سہ پہلو پر

کہیں دستِ بُریدہ خاک پر تیر و کماں تانے — کہیں تیغوں سے چکنا چور، زخموں سے لدے شانے

کہیں دم توڑنا ایڑی رگڑ کر پہلوانوں کا — کہیں پکڑے کلیجوں کو تڑپنا نیم جانوں کا

کہیں اڑتا ہوا خونِ رگِ گردن کا فوّارہ — کہیں کچھ بند پلکیں کچھ کھلی آنکھوں کا نظارہ

کہیں اکھڑی ہوئی سانسیں بھیانک جنکی آوازیں — پھڑکتی آنکھ میں سمٹی ہوئی رُوحونکی پروازیں

کہیں زندوں کے پہلو میں دھڑکتے دلکی بیتابی — کہیں تلوار کی دھاروں پہ مُردونکی گراں خوابی

یکایک لشکرِ داہر کے جنرل نے کہا بڑھ کر — کہ جانبازو رُکے ہاتھ آج رکھّو منحصر کل پر

امیرِ فوجِ اسلامی نے بھی تائید فرمائی — ہوئی موقوف دونوں لشکروں میں رزم آرائی

اتارے خود، چار آئینہ، شمشیرِ دو سر کھولی
پہونچکر اپنے خیموں میں شجاعوں نے کمر کھولی

شجاعانِ عرب کے کان تھے اَللهُ اَکبَرُ پر
اکٹھے ہو گئے میداں میں آوازِ اذاں سُن کر

خدا کی یاد سے غافل نہ تھے ہر رنج و راحت میں
مجاہد جُھک گئے معبودِ مطلق کی عبادت میں

نمازِ باجماعت کی ادا ہر ترک و تازی نے
دعا کو ہاتھ اٹھائے ہر مجاہد، ہر نمازی نے

کہ یارب آبروئے ملّتِ بیضا کے دیوانے
تری سرکار میں حاضر ہوئے ہیں لے کے نذرانے

دکھاوے وہ کرشمہ اپنے لطفِ بے نہایت کا
کہ لہرائے علم اسلامیونکی فتح و نصرت کا

بہر صورت توقع ہے ہمیں تیری عنایت کی
عطا فتح و ظفر ہو، یا ملے نعمت شہادت کی

بھروسا زورِ بازو پر، نہ شمشیرِ دو دم پر ہے
نظر ہم بینواؤں کی فقط تیرے کرم پر ہے

رگوں میں فتح و نصرت کا لہو دوڑا دیا تو نے
ہماری کیا ہے طاقت جو کیا وہ سب کیا تو نے

امانت ہم تری توحید کی رکھتے ہیں سینے میں
ہمارا آج کا مرنا گنا جائے گا جینے میں

سوائے فتح و نصرت ہے نہ فکرِ مال دنیا ہے
جو ہو جائے تری مرضی، وہی اپنی تمنّا ہے

امیرِ فوجِ مسلم نے زراہ ہمّت افزائی
شجاعوں سے مخاطب ہو کے یوں تقریر فرمائی

رہا میداں جزاک اللہ تمہارے ہاتھ کیا کہنا / نظر میں کھچ گیا بدر و احد کی جنگ کا نقشا

ہمیں یاد آ رہی تھیں خالد و حیدر کی شمشیریں / دکھا دیں از سرِ نو خیبر و خندق کی تصویریں

شجاعانِ سلف کی روح تم پر ناز کرتی ہے / تمہاری جنگ پر تیغِ دو پیکر ناز کرتی ہے

عرب نازاں تمہارے جوہرِ شمشیرِ بُرّاں پر / عجم رقصاں تمہارے ناوکِ محشر بداماں پر

وہ تم ہو آج جن پر فخر کرتی ہے شجاعت بھی / تمہارے سامنے ہے ہاتھ باندھے فتح و نصرت بھی

وہ تم ہو جن کا چرچا آج ہے ساری خدائی میں / قدم میداں میں، سر ہے بارگاہِ کبریائی میں

وہ تم ہو جن کی ساری نقل و حرکت اک عبادت ہے / خدا کے پاک بندو تمکی خدائی میں حکومت ہے

وہ تم ہو جن کی تلواریں چلیں اہلِ شقاوت پر / مگر دھبہ نہ آیا دامنِ زہد و عبادت پر

وہ تم ہو جس نے بتخانے کو کعبہ کر کے دکھلایا / تمہیں نے ساری دنیا میں خدا کا نام پھیلایا

وہ تم ہو چھا گئیں سارے جہاں پر جنکی شمشیریں / ہلا دیں ٹھوکروں سے قیصر و کسریٰ کی تعمیریں

وہ تم ہو جن کا جا کر نیزہ و خنجر میں پل پڑنا / ہمیشہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑنا

ملائیں آنکھ ہندستانیوں کی تاب و طاقت کیا / تمہارے آگے داہر کیا ہے، داہر کی حقیقت کیا

راجہ داہر کا قلعہ میں راج کماریوں سے رخصت ہونا اور دوسرے دن جنگ میں مارا جانا

ستاروں کے کنول بہنے لگے دریائے اخضر میں
تو ڈوبی کشتیٔ مہ رات کے کالے سمندر میں

فلک پر جھلملائی شمع روشن ماہ تاباں کی
فضا میں روشنی پھیلی فروغِ صبحِ خنداں کی

افق پر ہلکی ہلکی سی اُداسی بزمِ انجم میں
فروغِ برق رقصاں غنچہ وگل کے تبسّم میں

تماشا ہر طرف رقصِ نسیمِ صبح گاہی کا
نظر افروز نظّارہ سفیدی و سیاہی کا

شفق سے گوشۂ دامانِ صبحِ دلکشا رنگیں
زمیں رنگیں، فلک رنگیں، ہوا رنگیں، فضا رنگیں

صدائیں زمزمہ کی گونج اٹھیں دامانِ گلشن میں
لگے پر تولنے مرغِ سحر اپنے نشیمن میں

جمائے قشقۂ رنگیں جبینِ صبحِ روشن نے
جگائے بتکدوں کو شورِ ناقوسِ برہمن نے

سحر کے جھٹپٹے میں آیا داہر سوئے بتخانہ
بتوں سے التجائے فتح ونصرت کی غلامانہ

پھر آیا اُس محل میں جس محل میں اُسکی رانی تھی
نویدِ شادمانی، انبساطِ زندگانی تھی

ہوا دونوں کا یہ عالم وفورِ دردِ الفت سے ‏ ‏ تکے جیسے کوئی آئینہ، آئینے کو حیرت سے

زباں پر مُہرِ خاموشی تھی دل سرگرمِ ماتم تھا ‏ ‏ بہم دونوں میں تصویرے یہ تصویرے کا عالم تھا

رہا کچھ دیر تک یہ منظرِ خاموش دونوں کا ‏ ‏ بصد اندوہگیں داہر نے پھر قفلِ دہن کھولا

کہ اے آرامِ جانِ زینتِ اورنگِ سُلطانی ‏ ‏ ہمارے سر پہ منڈلاتی ہے قسمت کی پریشانی

ہمیں ہر ذرّہ وحشت آفریں معلوم ہوتا ہے ‏ ‏ قرینہ جنگ کا اچھّا نہیں معلوم ہوتا ہے

خدانا خواستہ تقدیر کا پانسہ پلٹ جائے ‏ ‏ سرِ میداں مرے اقبال کا تختہ اُلٹ جائے

نصیبِ دشمناں جانیں تلف ہوں جاں نثاروں کی ‏ ‏ بڑھے کچھ اور قوت جنگ میں مسلم سواروں کی

بُرا وقت آج دکھلائے ہمیں ناکامیِ قسمت ‏ ‏ مرے ویروں کو آجائے شکستِ فاش کی نوبت

قلم ہو کر مرا سر نذرِ شمشیرِ دو پیکر ہو ‏ ‏ نہ لشکر ہو، نہ افسر ہو، حکومت ہو، نہ کشور ہو

اُس عالم میں بھی دھرم اپنا بچانا چاہیئے تمکو ‏ ‏ اثرِ خونِ نجابت کا دکھانا چاہیئے تم کو

کہیں ذِلّت کے جینے سے ہے بہتر نام کر جانا ‏ ‏ اکٹھے کر کے فوجیں جنگ کرنا، لڑ کے مر جانا

عزیزوں کو بلا کر آخری تلقین فرمائی ‏ ‏ بھر آئے دل، اُداسی ہر در و دیوار پر چھائی

کچھ ایسا انقلابِ گردشِ رفتارِ دوراں ہے
کہیں ماتم کی تیاری، کہیں عشرت کا ساماں ہے

کہیں شورِ مبارکباد جشنِ تاج شاہی کا
کہیں نوحہ لبِ فریاد و شیون پر تباہی کا

کہیں دورِ شرابِ عیش ہے ساقی کی محفل میں
کہیں ہے قطرۂ خونِ جگر کی بھی کمی دل میں

کہیں جشنِ عروسی عید پر عیدیں مناتا ہے
کہیں داغِ جدائی خون کے آنسو رلاتا ہے

کہیں ہیں بجلیوں کے جھاڑ روشن بزمِ عشرت میں
کہیں اک منظرِ تاریک ہے آغوشِ تربت میں

کہیں صبحِ وطن کا انبساط اندوز منظر ہے
کہیں شامِ غریباں کی قیامت خیز ٹھوکر ہے

کہیں ہے عیش کی تقلیل، کلفت کی فراوانی
اسی پر ہے بقائے اہتمامِ عالمِ فانی

ہوئی پھر از سرِ نو فوج داہر کی صف آرائی
دوبارہ سر فروشی کے لیئے دنیا اُمنڈ آئی

وہی تیر و کمان و نیزہ و خنجر کی طغیانی
وہی تلوار کی دھاروں کا سر پر چڑھتا ہوا پانی

سواروں کی وہی شوکت وہی ہمیز گھوڑوں کی
وہی حملے وہی رفتار حشر انگیز گھوڑوں کی

وہی طبل و دُہل کی زلزلہ پرور صدا ہر سُو
وہی میدان میں منڈلاتی ہوئی سر پر قضا ہر سُو

وہی ہر سازِ جنگی کا دھڑکتے دل پہ چھا جانا
وہی روحوں کی خرمن پر نئی بجلی گرا جانا

وہی فتح وظفر کی ولولہ انگیزیاں دل میں
وہی خونریز حملوں کی قیامت خیزیاں دل میں

وہی سرگرمیٔ جوشِ عقیدت ملک وملّت کی
وہی دلمیں اُمنگیں جذبۂ بغض وعداوت کی

وہی داہر، وہی میداں، وہی فیلِ سفید اُسکا
وہی اسلام کی بربادیوں کا حوصلہ دونا

وہی اسلامیوں پر فتح ونصرت کی تمنّائیں
غرورِ قوتِ بازو عداوت کی تمنّائیں

اِدھر میداں ڈھکا تھا نیزہ وشمشیر وخنجر سے
کہ گونج اٹھیں فضائیں نعرۂ اَللہُ اکبر سے

بڑھے دانتوں میں اپنی داڑھیاں دابے ہوئے غازی
رگ وریشے میں رقصاں انبساطِ خونِ جانبازی

تصادم ہوتے ہی پیچھے کی جانب کی سُبک گامی
گئی کچھ میمنہ، کچھ میسرہ افواجِ اسلامی

تو داہر اور فوجیں اُسکی کچھ بڑھنے لگیں آگے
کہ اکھڑے غازیانِ دیں کے میداں سے قدم بھاگے

قضا کے مُنّہ پہ جانبازانِ ہندی چڑھتے جاتے تھے
یہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے، وہ آگے بڑھتے جاتے تھے

بہت کچھ اپنے فوجی افسروں پر خوش ہوا داہر
بالآخر غازیانِ دیں کے حلقے میں گھرا داہر

چلیں تینوں طرف سے آندھیاں شمشیر وپیکاں کی
لہو کی ندّیوں میں کشتیاں ڈوبیں تن وجاں کی

ہراک رُوح اُنکی طائرِ سینہ وسر چھوڑ کر بھاگے
کہ جیسے زلزلے میں آدمی گھر چھوڑ کر بھاگے

کہیں تلوار چلتی تھی، کہیں خنجر برستے تھے — چمکتی بجلیوں کی بارشوں میں سر برستے تھے

ہوا مرعوب ہندستاں، عراق و شام و ایراں سے — نہ ٹھیرا پھر کوئی دم بھر جب اکھڑے پاؤں میداں سے

ہوا اک ہُو کا عالم خوف سے دامانِ صحرا میں — لپک کر جا گرا داہر کا ہاتھی قعرِ دریا میں

نہ جانے پھر بہ عجلت کیوں سوئے ساحل پلٹ آیا — فرشتہ موت کا دریا سے شاید کھینچ کر لایا

کسی شامی نے بڑھ کر ناوکِ آتش فشاں مارا — گرا ہاتھی سے بالائے زمیں وہ ہو کے بیچارہ

تو اک مسلم سپاہی نے نکل کر قلبِ لشکر سے — قلم سر کر لیا اک وار میں داہر کا خنجر سے

بہا سارا لہو سارے بدن کا پیچ و خم نکلا — بہت تڑپا، بہت چیخا، بہت مشکل سے دم نکلا

کہاں ہیں یہ نظارہ تاجدارانِ جہاں دیکھیں — حکومت کو دمِ آخر رگڑتے ایڑیاں دیکھیں

ملے دم بھر کی مہلت جب نہ مرگِ ناگہانی سے — تو پھر حاصل ہوا کیا دولتِ دنیائے فانی سے

زمانے کی ہلاکت شیوگی سے کس کو چارا ہے — فریدوں ہے، نہ خسرو ہے، سکندر ہے نہ دارا ہے

وہ داہر جس کے سر پر سج رہا تھا تاجِ سلطانی — وہ داہر جسکی دہشت سے تھا شیروں کا لہو پانی

وہ داہر جسکی پوجا ہوتی تھی ہندوستاں بھر میں — وہ داہر لونڈیاں تک جسکی تھیں ڈوبی ہوئی زر میں

وہ داہر جسکی چوکھٹ سجدہ گاہِ اہلِ دولت تھی
وہ داہر جس کا درشن بُت پرستوں کی عبادت تھی

وہ داہر جس کے آگے سر جھکائے تاجداروں نے
وہ داہر حشر برپا کر دیئے جس کے سواروں نے

وہ داہر جس کا لوہا مانتے تھے ترک و تازی بھی
وہ داہر جس کو ہم پلّہ سمجھتے تھے حجازی بھی

وہ داہر ناز تھا مُلتانیوں کو جسکی قسمت پر
وہ داہر فخر تھا ہندوستاں کو جسکی دولت پر

پڑی ہے خاک و خوں آلودہ میّت اُسکی میدانمیں
نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ شوکت اُسکی میدانمیں

نہ کی طاعت قبول اسلامیوں کی مر گیا داہر
زمانے بھر میں اپنا نام اونچا کر گیا داہر

راجہ داہر کی رانی کا فوجیں اکٹھا کر کے جنگ کے میدان میں آنا اور اسلامی فوج کا مخاطب ہونا

درونِ قلعۂ داہر بپا داھر کا ماتم تھا
زوالِ دولتِ ہندی کا سارے ملک میں غم تھا

کوئی کہتا تھا قسمت میں لکھی ناشاد کامی ہے
ہمارا ملک ہے اور حلقۂ طوقِ غلامی ہے

کوئی کہتا تھا لُٹ جائے گی ہندوستاں کی دولت ۔ تحفظ دھرم کا ممکن نہیں ہے جب گئی دولت

کوئی کہتا تھا ہم زندوں سے اچھے مرنے والے ہیں ۔ جو زندہ رہ گئے ہیں ان کے بھی جانوں کے لالے ہیں

کوئی کہتا تھا دیکر ساتھ اب داہر کی رانی کا ۔ اسی کے سر پہ رکھدیں تاج ملکی حکمرانی کا

جو مرجاتا ہے ساتھ اس کے زمانہ مر نہیں جاتا ۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر جاتا ہے کچھ لیکر نہیں جاتا

وہی دولت وہی قسمت، وہی ہے اسکی شاہی بھی ۔ وہی ہندی حکومت بھی، وہی ہندی سپاہی بھی

لڑیں لڑکر مسلمانوں کا قصّہ پاک کر ڈالیں ۔ نہیں تو اپنی ہستی کو جلا کر خاک کر ڈالیں

جہاں میں کونسی دولت ہے جو حاصل نہیں ہوتی ۔ جہاں ہوتی ہے کچھ ہمّت وہاں مشکل نہیں ہوتی

مقدر کا انوکھا امتحاں ایسا بھی ہوتا ہے ۔ کسی دن انقلاب آسماں ایسا بھی ہوتا ہے

اُداسی میں ہر اک چہرے پہ دوڑی شادمانی بھی ۔ بہت خوش ہو گئی اِس رائے سے داہر کی رانی بھی

ہوا اک اشتہارِ عام فوجی جاں نثاروں کو ۔ خبر دی از سرِ نو سارے ملکی غمگساروں کو

کہ اے ہندی سپوتو آج پھر چھا جاؤ دشمن پر ۔ رہیگا ورنہ داہر کا لہو ویرونکی گردن پر

دکھادو آج بدلا لے کے تم خونِ حکومت کا ۔ تم اپنے ہاتھ سے پاسہ پلٹ دو اپنی قسمت کا

دلیرو آج تم دو کام میں اک کام کر جاؤ
امیرِ فوج کا سر کاٹ لو، یا لڑ کے مر جاؤ

غلامی موت سے بدتر ہے ڈرنا چاہیئے تمکو
اگر جینے کی حسرت ہے تو مرنا چاہیئے تمکو

رگِ مردانگی کو شرم و غیرت چاہیئے اسکی
کنیزی میں مسلمانوں کے ہے آج آبرو کسکی؟

یہ سُنکر ملک کا ہر بچّہ بچّہ بہرِ جنگ آیا
لئے سینے میں اپنے جان دینے کی اُمنگ آیا

امیرِ فوجِ مسلم کو لکھا رانی نے اک نامہ
کہ میرے دم میں دم جبتک ہے باقی ہے یہ ہنگامہ

مجھے لینا ہے بدلا آج تجھ سے خونِ شوہر کا
میں دل رکھتی ہوں لوہے کا، جگر رکھتی ہوں پتھر کا

نہا دھو کر لہو میں ملک کی عزت نباہونگی
اماں تجھ سے کبھی میں نے نہ چاہی ہے نہ چاہونگی

نہ دیکھی ہو تو دیکھ اب صنفِ نازک کی شجاعت بھی
دکھا دونگی کہ اتنی ہوتی ہے عورت کی ہمّت بھی

ہے اب ناقابلِ نظارہ ناکامی مقدر کی
رگِ گردن کو حسرت ہے تری تیغِ دو پیکر کی

کسی تدبیر سے کھویا ہوا راج اب نہ پاؤنگی
اسی میداں میں اپنے خون کی ندّی بہاؤنگی

دلِ ناکام میں اک التہابِ شعلہ ساماں ہے
اس اگنی کُنڈ میں جل کر ستی ہونے کا ارماں ہے

کہاں ہیں بہرِ جنگ آئیں سرِ میداں ترے غازی
کریں ہم عورتوں پر آ کے مشقِ ناوک اندازی

امیرِ فوجِ مسلم روپڑا زانی کا خط پڑھ کر
کہا ایذا روا رکھنے نہیں ہم صنفِ نازک پر

کسی نے آج تک ایسی سُنی ہو گی نہ بدنامی
کبھی کمزور پر اٹھتی نہیں شمشیرِ اسلامی

جو ہونا تھا ہوا کر رحم اپنی جانِ مضطر پر
کسی انسان کا چلتا نہیں کچھ بس مقدر پر

بشر کو چاہیئے وقفِ غمِ مشکل نہ بن جائے
وبالِ دوشِ ماضی، فکرِ مستقبل نہ بن جائے

جہاں نغمے الاپے جاتے ہیں ہوتے ہیں ماتم بھی
جہاں میں عید ہوتی ہے، تو ہوتا ہے محرم بھی

چمن تصویرِ عشرت بھی، شبیہِ غم بھی ہوتا ہے
جہاں ہے خندۂ گل، گریۂ شبنم بھی ہوتا ہے

گلہ جس لب پہ آجائے غمِ دردِ نہانی کا
اُسے کیا حق ہے وہ لوٹے مزہ کیوں شادمانی کا

شجاعانِ حجازی ہاتھ میں خنجر بھی رکھتے ہیں
دلِ درد آشنا میں رحم کے جوہر بھی رکھتے ہیں

کسی مظلوم پر ناحق ستم ڈھایا نہیں جاتا
کبھی اسلام تلواروں سے پھیلایا نہیں جاتا

ارادہ جنگ کا دعوت ہے اک ملکی تباہی کی
مناسب ہے کہ شرطیں مان لے دینِ الٰہی کی

عدوئے رُوح و قالب تیغ کی جھنکار ہوتی ہے
کہیں چوڑی بھرے ہاتھوں میں بھی تلوار ہوتی ہے؟

دکھائیگا جسارت تیرا قلبِ مضمحل کتنا
ٹھہر سکتی نہیں تو جنگ میں، عورت کا دل کتنا

سپاہی سے یہ سُنکر آگئی پھر قلعہ میں رانی
مٹیں ساری اُمنگیں حوصلوں پر پھر گیا پانی

کہا ہو کر مخاطب وارثانِ تختِ شاہی سے
وہ مرد عورت سے بدتر ہے جو ڈر جائے تباہی سے

دکھا دیتی تماشا میں اگر عورت نہیں ہوتی
تم ابتک جی رہے ہو تم کو کچھ غیرت نہیں ہوتی

پہن لو چوڑیاں یا جنگ میں کچھ کر کے دکھلا دو
مٹا دو لشکرِ اسلام کو یا مر کے دکھلا دو

صدائے زوجۂ داہر نے اک بجلی گرا ڈالی
یکایک سندھ کی ساری زمیں جس نے ہلا ڈالی

وفورِ جوشِ دل سے ذرّہ ذرّہ تلملا اُٹھّا
کفن باندھے ہوئے سر سے جو اُٹھّا کانپتا اُٹھّا

ہوا اک اجتماعِ عام دربارِ معلّےٰ میں
لگی اک آگ سی ویروں کے قلبِ ناشکیبا میں

درونِ قلعہ کیں کچھ دیویوں نے لکڑیاں روشن
سرِ انبارِ ہیزم ہر طرف چھڑکے گئے روغن

زمیں سے شعلۂ آتش قدِ آدم ہوا اونچا
نظر آتا تھا گویا صحن میں اک آگ کا دریا

یکے بعد دیگرے گر گر کے قصرِ بامِ عالی سے
ہوئیں آزاد قیدِ زیست کی آشفتہ حالی سے

سمیٹے اپنے جلووں کو جو شمعِ روئے زیبا نے
لگے سر پھوڑنے فانوس سے ٹکرا کے پروانے

ہوا ہر سُو اندھیرا حسرت و ارماں کی بستی میں
بجھی جب شمع روشن رہ گیا کیا بزمِ ہستی میں

غم و اندوہ کا قبضہ ہوا دنیائے راحت پر
ہوئی موقوف انکی زندگی مرنے کی حسرت پر

تعلق جب نہ دنیا کا رہا دنیائے فانی میں
مٹایا اپنا ماتم آپ اپنی زندگانی میں

جلایا دیویوں کو شعلۂ آتش بداماں نے
کیا زندوں کو خاکستر شرار آہِ سوزاں نے

بظاہر جنگ لیکن دل میں مٹنے کا ارادہ ہے
نویدِ فتح و نصرت جان دینے کی تمنّا ہے

سرِ میداں لگا ہر سورما کرنے صف آرائی
بڑھا جب ہندو ماتا کہہ کے ہر بھارت کا شیدائی

گلے رکھ رکھ دیئے تلوار پر وبروں نے بڑھ بڑھ کر
گریں جسطرح پروانے تڑپکر شمع کی لو پر

گرج کر کود پڑتا تھا کوئی شمشیر و پیکاں میں
کوئی اپنی قضا کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا میداں میں

گرے فرشِ زمیں پر خاک و خوں آلودہ سر کتنے
سجے اِک آن میں تیروں کی نوکوں پر جگر کتنے

سفینہ چل سکا جس کا نہ تلواروں کے پانی میں
ملی ان کو اماں آغوشِ مرگ ناگہانی میں

اگر جذبہ نہ ہوتا دل میں کچھ ہمّت نوازی کا
اکھڑ جاتا قدم میداں سے ترکانِ حجازی کا

ہوئے مجروح پیکانوں سے سندھی بھی حجازی بھی
یہ عالم تھا کہ کام آ گئے غازی بھی تازی بھی

اس اثنا میں اُدھر سندھی سواروں نے سپر رکھدی
اطاعت کی قبول اسلام کی تیغ دو سر رکھدی

چلی اس شان سے اسلام کی تلوار میداں میں
کہ سارے سندھیوں نے رکھ دیئے ہتھیار میداں میں

امیرِ فوج پہنچا قلعۂ داھـــر کے پھاٹک پر
تو دیکھا فاتحِ ہندوستان نے کچھ عجب منظر

برہمن دیویوں کو فلسفہ بتلا کے جلنے کا
سبق دیتا ہے جل بھن کر نیا قالب بدلنے کا

یہ ایمائے برہمن دیویوں کا جل کے مر جانا
امیرِ فوج کا اس منظرِ خونیں سے ڈر جانا

یہ کہنا تند لہجے میں خفا ہو کر برہمن پر
کہاں تک اور لے گا خونِ ناحق اپنی گردن پر

یہ بہتر ہے کہ تو ان دیویوں سے پہلے جل جائے
تری تلقین سے پہلے ترا قالب بدل جائے

یہ سُنکر دیویوں نے ابنِ قاسم سے اماں مانگی
کرم کی التجائیں کیں، تحفظ کی زباں مانگی

دلاسے فاتحِ ہندوستاں نے دیکے فرمایا
رہے سر پر تمہارے رحمتِ معبود کا سایہ

تمہیں کوئی ستا سکتا نہیں جبتک مرا دم ہے
محافظ اپنے بندوں کا خداوندِ دو عالم ہے

بڑی عزّت عطا کی ہے بڑی دولت عطا کی ہے
خدا نے اپنے بندونکی جسے خدمت عطا کی ہے

ہمارے گھر کی پیداوار ہے تہذیبِ انسانی
وہ ہے مخلوق کی خدمت جسے کہتے ہیں سلطانی

مصیبت کا شجر کرتا ہے راحت کا ثمر پیدا
شبِ تاریک کے پہلو سے ہوتی ہے سحر پیدا

یہ دنیا ہے یہاں ہر چیز مہماں اِک نفس کی ہے　　مصیبت اپنے بس کی ہے نہ راحت اپنے بس کی ہے
تحفظ پر مقرر کر کے مسلم فوج کا دستہ　　بہ عجلت فاتحِ اعظم نے خیمے کا لیا رستہ
سرِ نو پھونک دی اک روح قانونِ حکومت میں　　محبّت کی پڑی بنیاد، دنیائے عداوت میں
اثر جب کر چکا انداز حُسنِ دلنوازی کا　　ہوا فرمانِ جاری ملک میں شاہِ حجازی کا
جو مُلکی غیر ملکی ملّتِ بیضا میں شامل ہے　　ہر استحقاق میں حقِّ مساوات اسکو حاصل ہے
رہے مذہب پہ اپنے جسکو مذہب ہے عزیز اپنا　　فقط دینا پڑے گا جزیۂ اسلام سالانہ
ہوئی تعمیر مسجد ہر صنم خانے کے پہلو میں　　نہ رکھّا امتیاز عدلِ مُسلم اور ہندو میں
فروزاں تو ہوئی وہ شمع قانونِ عدالت کی　　بنیں مل جُل کے دونوں قوم دو آنکھیں حکومت کی
جُھکا پلّہ کسی جانب نہ میزانِ عدالت کا　　نہ تھا کچھ امتیازِ فاتح و مفتوح کا جھگڑا
پڑی بنیاد سارے ملک میں مُلکی اخوت کی　　منائی ہندوؤں نے عید اسلامی حکومت کی
حجازی بھرتے تھے دم ہندیوں کی دلنوازی کا　　تو ہندو پوجتے تھے پاؤں ترکانِ حجازی کا
اگر چھوتے تھے بامِ چرخ کو مسجد کے مینارے　　تو مندر کے کلس بھی توڑتے تھے عرش کے تارے

اذاں سے مسجدیں، ناقوس سے گونجے صنم خانے
محبّت میں سوا نکلے کہیں اپنوں سے بیگانے

منوّر کیوں نہ ہوتی طاقِ ایوانِ حکومت کی
ضیا دونوں گھروں میں تھی چراغِ آدمیّت کی

مُسلماں، ہندوؤں کو آشنا اپنا سمجھتے تھے
مسلمانوں کو ہندو، دیوتا اپنا سمجھتے تھے

ہر انساں کا زمانے کی خلش سے پاک سینہ تھا
کسی دل میں کسی دل سے تعصب تھا نہ کینہ تھا

غریبوں کے سروں پر سایہ تھا دامانِ دولت کا
وطن کا ذرّہ ذرّہ اک نمونہ تھا صداقت کا

خدا کیواسطے ہوتی تھی پُوجا دیوتاؤں کی
زمانے میں حکومت تھی نہ مصنوعی خداؤں کی

وبائے عام کا کب دسترس تھا ملک و ملّت پر
جھگڑتی تھیں نہ قومیں نسخۂ گاؤزباں لیکر

جو تھا پروردہ سیلابِ آبِ زندگانی تھا
غرض گنگا کے دھاروں میں رواں زمزم کا پانی تھا

سبق لیتی تھی دنیا اتحادِ کفر و ایماں سے
تعلق ہو گیا پیدا عراق و مصر و ایراں سے

کیا اہلِ عرب نے ہند میں ایسا شجر پیدا
حجاز و مصر و ایراں میں تھا جس کی شاخ کا سایہ

گھٹا دجلہ سے اُٹھّی، برق گنگا پر گرا آئی
اذاں بغداد میں جب دی تو کاشی میں صدا آئی

عراق و مصر و ایراں نے لیا حصہ تجارت میں
ترقی سرزمینِ ہند نے کی مال و دولت میں

ہوا ہندوستاں کو ناز، عربوں کی حکومت پر
وطن عربوں نے چھوڑا ہند کے حُسنِ اطاعت پر

تھا ہر ہندو نہال اہلِ عرب کی حکمرانی میں
مزہ عربوں کو زمزم کا ملا، گنگا کے پانی میں

چمک اُٹھا نصیبا منظرِ صبحِ بنارس کا
لئے دنیائے آرائش ہوئی شامِ اودھ پیدا

کیا ہندوستاں نے حق ادا مہماں نوازی کا
وطن غربت میں پیدا کر دیا قومِ حجازی کا

کیا اسلام نے وہ اتحادِ کفر و دیں پیدا
مٹایا بودھ قوم اور ہندوؤں کا باہمی جھگڑا

مکدّر ہو چکی تھی ہندوں سے بودھ قوم اتنی
کہ کچھ مسلم ہوئی کچھ چین و جاپاں کی طرف بھاگی

بہا ہم بیشگی تھی ابتدا سے اس کی فطرت میں
رہا ہندوستاں بارہ[۱۲] صدی غیروں کی طاعت میں

دار الخلافت دمشق میں مالِ غنیمت و دخترانِ راجہ داہر کا پہونچنا و خلیفہ سے شکایت کرنی۔ خلیفہ کا عتاب ناصواب و فاتح اوّل ہندوستان محمد بن قاسم کو طلب کرنا۔ اور راستے میں ان کا انتقال پُر ملال

گڑا ہندوستاں میں پرچم اسلامی حکومت کا
چلا سکہ شہنشاہی سرکارِ خلافت کا

مرتب فاتح اعظم نے کی اک مجلس شورے
تھا جس میں اجتماع عام ہندو اور مسلم کا

جو دستورِ قدیمانہ تھا قانونِ شریعت میں
وہ حصہ ہر مجاہد کو ملا مالِ غنیمت میں

خلیفہ کا حقِ مخصوص لیکر فوج کا دستہ
گیا ملتان سے بصرہ، تو بصرہ سے عراق آیا

نہ مانے اُس نے اسلامی شرائط بعد نصرت بھی
مقدر رہی میں جس ناکام قسمت کے غلامی تھی

گئے دار الخلافت جن کو لے کر غازیانِ دیں
اُنہیں بدقسمتوں میں دخترانِ راجہ داہر تھیں

مقدر کھینچ کر لایا جو سرکارِ خلافت میں
تو پیدا اک نیا فتنہ ہوا، اُن کی طبیعت میں

نصیبوں سے انہیں موقع ملا جب باریابی کا
بھرا خونِ پدر کا دل میں جوش انتقامی تھا

کہا اک نے خلیفہ سے کہ تو سُلطانِ عالم ہے
تری سرکار عالی سجدہ گاہِ ابنِ آدم ہے

کھُلے سارے زمانے پر ترے کار نمایاں ہیں
نگاہِ معدلت میں دوست دشمن دونوں یکساں ہیں

تجھے سب اہلِ ہند اوتار، بے چون و چرا کہتے
اگر مسلم نہ ہوتا تو، تو ہندو دیوتا کہتے

تری سرکار میں حاضر ہوئی ہوں سر جھکانیکو
مسخر تو نے گھر بیٹھے کیا سارے زمانے کو

اجازت ہو تو اپنی داستانِ غم فزا کہدوں
کوئی واقف نہیں جس حال سے وہ ماجرا کہدوں

حجاب آگیں ہے اپنی بے پر و بالی کا افسانہ
مناسب ہے مگر موقع پہ حرفِ بے حجابانہ

خلیفہ نے بیانِ رازِ مخفی کی اجازت دی
تو شرمائی ہوئی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر بولی

لحاظ اسلامیوں میں کیا نہیں فرقِ مراتب کا
سپاہی کی کرے جھوٹی غذا کیوں مستعمل آقا

ترے جنرل بن قاسم نے ہم پر ظلم ڈھایا ہے
کئی شب اپنی خلوتگاہِ عشرت میں بلایا ہے

یہ بہتر ہے سلامِ سطوتِ دولت بجا لاؤں
میں اس لائق نہیں ہوں جو تری خدمت بجا لاؤں

ہوئی یہ سن کے ابروئے خلافت میں شکن پیدا
وفورِ غیظ نے کی گردشِ چرخِ کہن پیدا

گیا بصرہ سوئے حجّاج یہ فرمان سلطانی
کہ فتح ہند کی ساری خوشی پر پھر گیا پانی

ترے جنرل نے ڈالی خاک احکامِ شریعت پر
خدا شاہد وہ اک دھبّہ ہے دامانِ حکومت پر

شغال و گرگ سے ہوتی نہیں بھیڑوں کی رکھوالی
حکومت کیلئے درکار ہے پاکیزہ اعمالی

جو حاکم اپنے فرضِ منصبِ اعلیٰ سے ہو غافل
حکومت کیلئے پھر کونسا ہے اس کو حق حاصل

یہ مانا سو عبادت سے سوا ہے ذوقِ سربازی
مگر برقِ عتابِ حق کی دعوت ہے نظربازی

مناسب ہے کہ ہو جنرل تمیم ابن انصاری
کرے جو سندھ جاکر ابنِ قاسم کی گرفتاری

مری سرکار میں حاضر کرے اس تیرہ قسمت کو ۔۔۔ سمجھ رکھا ہے جس نے کھیل اسلامی حکومت کو

حکومت کے لئے زیبا نہیں افعالِ شیطانی ۔۔۔ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

ہوا حجاج جب آگاہ اس حکمِ خلافت سے ۔۔۔ سلا تھا جس کا دامن تارِ دامانِ شریعت سے

کھلا لیکن نہ عقدہ اس عتاب بے سروپا کا ۔۔۔ تمیم سادہ دل کو جانبِ ہندوستاں بھیجا

مکرر خط میں لکھا غازیانِ فوجِ مسلم کو ۔۔۔ مقید کر کے بھیجو جلد جنرل ابن قاسم کو

نظر آتی ہے ہر دم اک نئی تصویر، کیا کہنا ۔۔۔ ترا اے انقلابِ آسمانِ پیر، کیا کہنا

مسلط کر دیا تو نے کبھی دارا کو دنیا پر ۔۔۔ سکندر کو کبھی دی فتح و نصرت ملک دارا پر

فسانہ تھا کبھی ضحاک کے خوں ریز آئیں کا ۔۔۔ زمانہ تھا کبھی جمشید کے جامِ جہاں بیں کا

کبھی اقبال تھا ہندوستاں میں راجہ داہر کا ۔۔۔ کبھی ہر دل پہ نامِ ابنِ قاسم کا چلا سکہ

وہ جنرل ابن قاسم کانپتا تھا جس سے اک عالم ۔۔۔ جسے سارا زمانہ مانتا تھا فاتحِ اعظم

وہ جنرل ابن قاسم فتح کی جس کے غلاموں نے ۔۔۔ شہنشاہوں سے چھینے تاج جس کے کارناموں نے

وہ غازی جسکی مفتوحات پر اسلام نازاں ہے ۔۔۔ حرم کی شمع بتخانے کی طاقوں پر فروزاں ہے

نئی صورت ہوئی پیدا یہ اسلامی تباہی کی
سزا معصوم کو ملتی ہے جُرم بیگناہی کی

تمیم احکام شاہی لیکے ہندوستان آپہونچا
پس از قطع منازل یک بیک ملتان آپہونچا

ہوا داخل بہ عجلت بارگاہِ ابن قاسم میں
خوشی کی لہر دوڑی غازیانِ فوج مسلم میں

بچھا وہ خوان جو شایان ترکانِ حجازی تھا
ادا ہونے لگا جو کچھ حقِ مہماں نوازی تھا

کیا پھر مطّلع ہر فوج ایرانی و شامی کو
مسلح کل سرِ دربار ہوں حاضر سلامی کو

سفر ہندوستاں کا کب مرا خالی از علّت ہے
سُنانا ہے تمہیں جو حکم سرکارِ خلافت ہے

ہوئیں آ آ کے حسب الحکم فوجیں ساری استادہ
تمیم ابن انصاری نے مجمع میں پڑھا نامہ

سبھی کے دل میں جنرل ابن قاسم کی عقیدت تھی
یہ سُن کر فوج ساری پیکرِ تصویرِ حیرت تھی

عجب نقشا ہوا افواج کے قلبِ پریشاں کا
سبب کھلتا نہ تھا کچھ اس عتاب حشر ساماں کا

یہ ابن جوشِ عقیدت تھی عجب بے اختیاری تھی
کھڑی حیرت زدہ اس کشمکش میں فوج ساری تھی

اگر اس حکم کو مانیں تو فرق آئے حمیت میں
نہیں مانیں تو نقص آتا ہے فرمانِ خلافت میں

کسی مسلم سپاہی میں کہاں تھی اتنی جی داری
جو کر سکتا تھا اُٹھ کر ابن قاسم کی گرفتاری

سپاہی جب کوئی نکلا نہ پھروں فوج مسلم سے
تو اپنے فاتح ہندوستاں نے ہاتھ خود باندھے

کہا پھر اس کو ہم منجانب قسمت سمجھتے ہیں
اطاعت ہیں جو ذلّت ہو اُسے عزّت سمجھتے ہیں

بہ پاسِ آبرو تھا حکم سرکارِ خلافت کا
کوئی احساس تک ہوتا نہیں توہین و ذلّت کا

عمل میں آ چکی جب ابن قاسم کی گرفتاری
چلے دارالحکومت کی طرف باگریہ وزاری

وہ صحرائے لق و دق جسکی ہر منزل پہ خطرہ تھا
جہاں کا ذرّہ ذرّہ فرطِ وحشت سے درندہ تھا

جہاں دانہ تو کیا جز اشک ہاتھ آتا نہ پانی بھی
جہاں رہ جاتی تھک کر کاروانِ عقلِ انسانی

جہاں اک آگ سی جلتی چٹانوں پر سُلگتی تھی
جہاں ہوتا تھا گُم رستہ تو دل پر ٹھیس لگتی تھی

جہاں چھالے دُھلا دیتے تھے منہ خارِ مغیلاں کا
جہاں خارِ مغیلاں دل دکھا دیتے تھے انساں کا

جہاں تعمیرِ ہستی ٹھوکریں کھا کھا کے گرتی تھی
جہاں آنکھوں میں ہر دم موت کی تصویر پھرتی تھی

جہاں پیکِ اجل ہر گام پر لبیک کہتا تھا
جہاں اِک عالمِ ہُو تھا نہ منزل تھی نہ رستہ تھا

علاقے جسقدر پڑتے تھے جولانگاہِ نصرت میں
وہیں تھا فاتحِ اعظم سپاہی کی حراست میں

صعوبت راہ کی احساسِ توہینِ گرفتاری
بنا ہر گام پر آخر پیامِ مرگ خودداری

کچھ اتنی جان لیوا تھی صعوبت دشتِ غربت کی — بجا دی جسکی خونی ٹھوکروں نے کوسِ رحلت کی

ہجومِ بیکسی، منزل کٹھن، رستے کی ایذائیں — نہ بچ بچ کر قدم رکھیں تو صد ہا خار چُبھ جائیں

ہوائے گرم کے جھونکے تھے گردا اُڑ اُڑ کے پڑتی تھیں — وفورِ ضعف سے ہر گام پہ سانسیں اُکھڑتی تھیں

کہیں چلتے کہیں رکنے، کہیں اڑتے تھے رستے میں — جو لگ جاتی تھی اک ٹھوکر تو گر پڑتے تھے رستے میں

غرض منزل کی منزل، منزلِ صد امتحاں نکلی — گرے غش کھا کے آخر تن سے جانِ ناتواں نکلی

وہ جنرل دھاک بیٹھی جسکی تھی ساری حکومت پر — فقط اک بیکسی ماتم کناں ہے اسکی میت پر

وہ جنرل کانپتی تھی ساری دنیا کی فضا جس سے — ملا سکتے نہ تھے آنکھیں جہاں کے سورما جس سے

وہ جنرل سندھ والے دیوتا جس کو سمجھتے تھے — سپاہی فتح و نصرت کا خدا جسکو سمجھتے تھے

وہ جنرل کارنامے جس کے ہیں سب یادگار اٹک — ادب سے نام جس کا لیتے ہیں زُنّار دار اٹک

سدھارا گلشنِ ہستی سے جب وہ فاتحِ اعظم — تو ان سب نے حراست میں تھے جسکی بادلِ پُرغم

لپیٹا گائے کے چمڑے میں اس کے جسمِ بیجاں کو — بعجلت طے کیا ہر منزلِ راہِ پریشاں کو

اٹھا اک حشر پہنچی لاش جب دار الحکومت میں — صفِ ماتم بچھا دی ملک نے دنیائے عشرت میں

عجب عالم تھا، غم سے دیدنی تھے وہ مناظر بھی
جب آئیں دیکھنے کو دخترانِ راجہ داہر بھی

یہ چلّا کر خلیفہ سے لگی کہنے بصد حسرت
کہ اے پشت و پناہِ دین و ملّت، قبلۂ حاجت

ہوئی بے جرم اس معصوم جنرل کی گرفتاری
غلط سر تا بپا تھا اس پہ الزامِ خطاکاری

ہم ہی ناخوش تھے ورنہ تھا زمانہ شاد کام اس سے
بہ ایں حیلہ لیا خونِ پدر کا انتقام اس سے

ہمیں بھی ایک دن دنیائے فانی سے گذرنا ہے
خدا بخشے اسے یہ مر گیا اور ہم کو مرنا ہے

خلیفہ پانی پانی ہو گیا فرطِ ندامت سے
زباں دانتوں سے دابی، دم بخود تھا شرم و غیرت سے

اُمنڈ آئی خدائی فاتح اعظم کی میّت پر
جو خود کرتے ہیں اس کا بھی تو ہے الزام قسمت پر

بجز مردہ پرستی اور کیا ہے دارِ فانی میں
ہوئی کس آدمی کی قدر اُس کی زندگانی میں

جو فاقے میں گرے غش کھا کے کب اسکو اُٹھاتے ہیں
وہ مرتا ہے تو اُسکی قبر پر چادر چڑھاتے ہیں

گلی کوچے میں جس کی ہر طرف تشہیر ہوتی ہے
لحد پر اسکی دنیائے وفا تعمیر ہوتی ہے

وفورِ کس مپرسی سے جسے برباد کرتے ہیں
چھلک پڑتے ہیں کچھ آنسو جب اسکو یاد کرتے ہیں

تغافل شیوگی سے عمر بھر جس کو رلاتے ہیں
وہ اُٹھ جاتا ہے دنیا سے تو اس کا غم مناتے ہیں

جہاں میں جینے جی ہوتی نہیں ہے قدر کچھ جس کی　　تکلّف سے مناتا ہے زمانہ یادگار اس کی

تمیم انصاری کا سندھ آنا اور اڑتیس[۳۸] برس کے بعد حکومت کا قبضے سے نکل جانا

تمیم آیا تو بدلا اس نے رُخ طرزِ حکومت کا　　نزاعِ کفر و ایماں لازمی جس کا نتیجہ تھا

حکومت پر فضا ئیں ملک کی کرتی تھیں نازاتبک　　کہ تھا مفتوح و فاتح میں نہ کوئی امتیاز اتبک

ہوئی ملکی تمدن میں نئی اک چپقلش پیدا　　محبّت میں عداوت کی لگی ہونے خلش پیدا

کدورت، ہر جگہ زہر شقاوت بوتی جاتی تھی　　بغاوت رفتہ رفتہ ملک بھر میں ہوتی جاتی تھی

خلیفہ کو خبر جب دی گئی، تو اُس نے لکھ بھیجا　　جو فاتح ہے اسے مفتوح سے لڑنا نہیں اچھا

یہ بہتر ہے کہ فوجیں لیکے تم بصرہ چلے آؤ　　رواداری کے جوہر سندھیوں کو آج دکھلاؤ

محاصل سندھ کے بنجر علاقوں کا نہیں اتنا　　کہ جس سے خرچ پورا ہو سکے فوجی دفاتر کا

غرض اس طرح اسلامی حکومت پر زوال آیا　　زوال آیا تو پھر تا دو صد و پنجاہ سال آیا

ہندوستان میں غزنوی حکومت اور مہمات و فتوحات

بن قاسم کے بعد اسلام کا سرچشمۂ ثانی — اُبل کر درۂ خیبر سے کی جس نے گل افشانی

زمینِ ہند جس کے فیض سے سیراب ہے ابتک — کلی اس باغ کی مُرجھا کے بھی شاداب ہے ابتک

لہو سے گلشنِ ہندوستاں کو جس نے سینچا ہے — سبکتگین کے سر اس جوانمردی کا سہرا ہے

جہاں گھر گھر خدا خود اپنے ہاتھوں کا تراشا تھا — وہاں سجدہ ادا ہونے لگا معبودِ مطلق کا

جہاں مندر میں تھا پریوں کا رقص بے حجابانہ — وہاں ہے اب صنم خانے کے پہلو میں خدا خانہ

جہاں ہر سمت مصنوعی خداؤں کی پرستش تھی — وہاں آواز ہر سُو نغمۂ توحید کی گونجی

جہاں اک ایک مندر کے کلس اونچے تھے گردوں سے — وہاں کرتے ہیں باتیں عرش سے مسجد کے مینارے

جہاں سر پر گھٹائیں چھا رہی تھیں جرم و عصیاں کی — وہاں چمکی شعاعیں آفتابِ نورِ عرفاں کی

جہاں ہر سر میں سودا تھا بتوں کی جبہ سائی کا — وہاں جلوہ نظر آتا ہے شانِ کبریائی کا

جہاں خالی اندھیرا ہی اندھیرا تھا نگاہوں میں — وہاں ہے مشعلِ تقدیس روشن خانقاہوں میں

جہاں تھی ہر قدم پر کارفرما کفر سامانی
وہاں ہے نیرِ اسلام کی ہر سو درخشانی

یہاں جو رونقِ محراب و تسبیح و مصلیٰ ہے
سبکتگین یا محمود کے قدموں کا صدقہ ہے

مورّخ خامہ فرسا ہے یہ تاریخ فرشتہ کا
رہا جب دو صد و پنجاہ سال اسلام بے قبضا

تو پہلو گردشِ دورِ فلک نے اک نیا بدلہ
کہ غزنی سے چمک اٹھا ستارہ فتح و نصرت کا

الپتگین کے مرنے پر برسمِ ترک افغانی
سبکتگین کے سر پر آگیا اکلیل سلطانی

یہ جب نو سو ستتر عیسوی میں تخت پر بیٹھا
تو دنیائے حکومت کا ہوا کچھ اور ہی نقشا

وفورِ علم و فن سے ملک کا ہر ذرّہ ہر گوشا
فقیہہ و فلسفی و شاعر و صوفی کا مرکز تھا

یہیں سے عسجدی[1] کی شاعری نے پرورش پائی
یہیں کی طوسیٔ معجز بیاں نے، رزم آرائی

یہیں سے نام چمکا رستم[2] و سام و نریماں کا
یہیں سے جگمگایا ذرّہ ذرّہ خاکِ ایراں کا

یہیں ساسانیوں[3] نے از سرِ نو زندگی پائی
یہیں سے ہند کے ظلمت کدوں نے روشنی پائی

یہیں سے حکمرانانِ کیانی آج زندہ ہیں
یہیں سے کیقباد و جم کے تخت و تاج زندہ ہیں

---

[1] سبکتگین کا درباری شاعر [2] ایران کے پہلوانوں کا نام از شاہ نامہ فردوسی۔ [3] ایران کی حکومتیں

یہیں کا ذرّہ ہفت اقلیم کی آنکھوں کا تارا تھا
یہیں جوشِ اُخوت میں سبھی سے بھائی چارہ تھا

یہیں اُمنڈا ہوا سیلاب تھا اقبال و دولت کا
یہیں اڑتا تھا پرچم فوجِ اسلامی حکومت کا

کہیں افواج افغانی و ایرانی کی صف بندی
کہیں تیر و کماں سے لیس ترکانِ سمرقندی

کہیں تھی سر ہتھیلی پر لئے فوجِ خراسانی
کہیں تھی سرفروشانِ بخارا کی رجز خوانی

قطار اک سمت تا حدِّ نظر تھا شہسواروں کا
نظر آتا تھا اک فولاد کا اُمنڈا ہوا دریا

اِدھر رہ رہ کے بجلی گرتی تھی جیپال کے دل پر
یہ تھا فرمانروائے کابل و پنجاب و پشاور

سمجھتا تھا اگر یہ غزنوی فتنہ جواں ہوگا
یہ عالم ہے تو آگے چل کے کیا ہوگا کہاں ہوگا

گئی دیکھی نہ جب سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت
تو جھپکے اُس نے کی حملے کی تیاری بصد عجلت

خبر کیا تھی کہ اسکی سعیٔ پیہم رائگاں ہوگی
مسلمانوں کے حق میں دعوتِ ہندوستاں ہوگی

راجہ جے پال فرمانروائے کابل و پنجاب و پشاور کا غزنی پر حملہ کرنا اور سلطان سبکتگین کی فوج سے شکست کھانا اور بشرائط دس لاکھ درہم و پچاس ہاتھی سالانہ خراج پر صلح کی درخواست کرنا۔ صلح کے بعد لاہور پہونچکر اس کو وصول نہ کرنا

بڑی سرعت سے جیپال اپنی اک فوجِ گراں لیکر
بڑھا کابل سے آگے آ ڈٹا غزنی کی سرحد پر

سواروں کی کوئی گنتی نہ کوئی حد تھی پیدل کی
علاوہ آگے آگے کوہ پیکر تین سو ہاتھی

رجز خواں ایک جانب راجپوتوں کے رسالے تھے
کمر میں جن کی تلواریں تھیں اور کاندھوں پہ بھالے تھے

قرینے سے کماندار اک طرف تیر و کماں تانے
دو رویہ کہنیاں ملتی ہوئی چھلتے ہوئے شانے

صدائے نعرۂ جے ہند سے محشر کا ساماں تھا
خدنگ و نیزہ و تیر و سناں کا ایک طوفاں تھا

دلوں میں موجزن اک حوصلہ خونِ مسلماں کا
یہ اک بڑھتا ہوا سیلاب تھا شمشیر و پیکاں کا

زباں پر تھا کوئی منہ پر ہمارے چڑھ نہیں سکتا
سبکتگین کیا ہے اور سبکتگیں کی دولت کیا

معاً سلطان نے جب اس جسارت کی خبر پائی
تو بل ابرو پہ آئے اور ہونٹوں پر ہنسی آئی

سرِ میداں بڑا جرّار دستہ لیکر آپہونچا
کہا اے سرفروشو! سامنا ہے کفر و ایماں کا

دکھا دو جمعِ باطل کو نامِ حق کی تاثیریں
ہلا دو نعرۂ تکبیر سے مندر کی تعمیریں

تمہارے سامنے ٹک جائیں انکی تاب و طاقت کیا
یہ ہیں مور و ملخ، مور و ملخ کی اکثریت کیا

بہائم ہیں بہائم شیوہ گی ہے انکی فطرت میں
جو تلواروں سے بچ جائیں انہیں لے لو حراست میں

وہ بہہ جاتا ہے آخر نیزہ و خنجر کے طوفاں میں
جگاتا ہے جو خود سوئے ہوئے شیروں کو میداں میں

جو بڑھتے ہیں تو بڑھتے بڑھتے انکو زد پہ آنے دو
اگر یہ بھاگنا چاہیں تو ان کو بھاگ جانے دو

یہ بربادی کے خوگر ہیں انہیں برباد ہونے دو
مزہ جب ہے کہ آغوشِ قضا میں بھی نہ سونے دو

یہ وہ ہیں جنکی فطرت میں فریبِ فتنہ کاری ہے
تمہارا اک جواں ان سینکڑوں مُردوں پہ بھاری ہے

تمہیں ہو جس نے دنیا کی سیاست کا ورق الٹا
تمہیں ہو جس نے روما کی حکومت کا ورق الٹا

دکھائے یہ کرشمے کسکی تیغِ عدل گستر نے
بنائے آشیاں اک شاخ پر باز و کبوتر نے

جو آئیں سامنے ان کے تن و سر کاٹ کر رکھ دو
کماں ہاتھوں سے چھینو خود و مغفر کاٹ کر رکھ دو

کماندارانِ ہندی کو اُدھر جے پال للکارا ۔۔۔ فضا گونجی کڑک سے جس کی میداں کانپ اُٹھا سارا

اِدھر تولے ہوئے شمشیر جانبازانِ ہندوستاں ۔۔۔ اُدھر گھوڑے پہ ترکانِ سمرقندی سرِ میداں

اِدھر باندھے قطار اک سمت پیلانِ کہستانی ۔۔۔ اُدھر تانے ہوئے نیزے سوارانِ خراسانی

اِدھر اُمنڈا ہوا بادل خدنگ و تیر و پیکاں کا ۔۔۔ اُدھر بہتا ہوا سیلاب آبِ تیغِ بُرّاں کا

اِدھر ہر راجپوت اپنی کمانداری پہ نازاں تھا ۔۔۔ اُدھر ہر ترک اپنی شانِ خودداری پہ نازاں تھا

اِدھر تیرِ سہ پہلو ہیں کہ ترکش میں چمکتے ہیں ۔۔۔ اُدھر خونخوار نیزے ہیں کہ ہاتھوں میں لچکتے ہیں

تصادم ہوتے ہی حملہ برابر سے برابر کا ۔۔۔ اِدھر جے ہند کا نعرہ اُدھر اللہ اکبر کا

کہیں ندی لہو کی بارشِ بارانِ پیکاں سے ۔۔۔ کہیں گرتی تھی بجلی شعلۂ شمشیرِ بُرّاں سے

کہیں سیلابِ خوں کی بارشیں تھیں سر برستے تھے ۔۔۔ کہیں نیزے لچکتے تھے کہیں خنجر برستے تھے

بالآخر ہو گئی جے پال کے لشکر کی پامالی ۔۔۔ کماندارانِ ہندوستاں سے میداں ہو گیا خالی

سدھارے کچھ تو زخم نیزہ و شمشیر و پیکاں سے ۔۔۔ ہوئیں برباد کچھ فوجیں وفورِ برق و باراں[1] سے

مسلمانوں نے چھینے نیزہ و تیر و کماں بڑھ کر ۔۔۔ مقیّد ہو گیا کچھ کابل و پنجاب کا لشکر

[1] اتفاق سے بارش اور برف باری کا سلسلہ کئی دن تک رہا

(از "عہدِ اسلامی کا ہندوستان" مولانا ریاست علی ندوی)

مظفر معرکے میں جب ہوئیں سُلطان کی فوجیں
تو بھاگیں چھوڑ کر میدان، ہندُستان کی فوجیں

نہ بن آیا تو آخر صُلح کی جے پال کو سُوجھی
سبکتگین کی خدمت میں اک عرضی روانہ کی

کہ میں اپنی غلط اندیشیوں پر خود پشیماں ہوں
جو ممکن ہو تو صلح و آشتی کا تجھ سے خواہاں ہوں

سبکتگین نے محمود کو بلوا کے یہ پوچھا
اگر میں صلح کر لوں تو تمہارا مشورہ ہے کیا

کہا شہزادۂ پاکیزہ فطرت نے متانت سے
مرا کیا مشورہ، میں متفق ہوں حکم حضرت سے

مگر دشمن سے امیدِ وفا ہے سخت نادانی
"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

ازل سے انکی فطرت میں ہے خوئے معصیت کاری
نہیں کچھ ان کو آتا ماسوائے مکر و عیّاری

نہ کچھ خوفِ خدا ان کو نہ کچھ خوفِ پیمبر ہے
سگِ دنیا ہیں یہ انکی نگاہوں میں فقط زر ہے

یہ مارِ آستیں کیا جانیں توقیرِ کرم کرنا
بُروں پر رحم کرنا تو ہے اچھّوں پر ستم کرنا

کہا سلطاں نے میں سلطاں ہوں میرا ظرف عالی ہے
جو بھاگے اس سے لڑنا تو بڑی کوتہ خیالی ہے

علاوہ ہے یہ رجپوتوں کا دستورِ قدیمانہ
جب اُن کو یاس ہوتی ہے تو لڑتے ہیں دلیرانہ

یہ پہلے زندہ اپنے سارے کنبے کو جلاتے ہیں
کفن باندھے ہوئے میداں میں پھر مرنے کو آتے ہیں

خود اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں قتل اپنے عزیزوں کو
کہ مرنے میں سرِ میداں نہ کچھ تشویش پیدا ہو

یہ مجھ سے منظرِ نادیدنی دیکھا نہ جائے گا
پیامِ صلح تو اک دن نہ اک دن کام آئے گا

ہے بہتر صلح سے پہلے شرائط نامہ لکھوا لوں
اُسے پھر اپنی فوجیں لیکے جانیکی اجازت دوں

یہ شرطِ صلح[1] اپنے ہاتھ سے جیپال نے لکھدی
کہ سالانہ ادا کر دوں گا میں دس لاکھ کی نقدی

علاوہ سکۂ رائج کے ہونگے نصف صد ہاتھی
زرِ محصول پہونچائے جو ہندستاں سے تا غزنی

گیا جے پال جب لاہور اپنی راجدھانی میں
لگیں تبدیلیاں ہونے اصولِ حکمرانی میں

بڑھی کچھ دن کے بعد اسکی اُمنگ آہستہ آہستہ
فراہم کر لیا سامانِ جنگ آہستہ آہستہ

بہت رغبیں اسے دیں سارے راجاؤں نے مل جُل کر
زنانِ ملک نے بھجوا دیئے اپنے زر و زیور

لڑے جیپال تاجی کھول کر ترکانِ غزنی سے
سرِ میداں نہ دب جائے کہیں شیرانِ غزنی سے

اُسی دوران میں بہرِ تعاون ایک خط لکھکر
کیا قاصد روانہ جانب قنوج و کالنجر

بہ عجلت والیانِ دھلی و اجمیر کو لکھّا
بہ منت دولت گجرات کو انبیر کو لکھّا

کہ اے پشت و پناہِ ہندیاں بہرِ مدد آؤ
سرِ میداں خراسانی درندوں کو نگل جاؤ

[1] اقتباس از عہد اسلامی کا ہندوستان (مولانا ریاست علی ندوی)

یہ سیلابِ بلا جو درّۂ خیبر سے آئے گا — نہ جانے کیا کرے گا کون سا طوفاں اٹھائیگا

نہ روکیں گے جو مل جل کر تو پامالِ ستم ہونگے — اگر کچھ دیر کی تو پھر نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

نظر اُن سے ملائے تاب طاقت کیا ہے شیروں کی — بندھی ہے دھاک اُن غارتگروں کی ان لٹیروں کی

دمِ جنگ اُن کے آگے پاؤں شیروں کے اکھڑتے ہیں — اگر ہو آگ کا دریا، تو اس میں کود پڑتے ہیں

اگر مل کر نہ اس سیلابِ بے پایاں کو روکیں گے — تو گویا ملک سارا آگ کے طوفاں میں جھونکیں گے

ملا جب راجگانِ ہند کو جے پال کا نامہ — تو سب نے فوج لے کر ساتھ آنے کے لئے لکھّا

مٹا خوف و خطر دل ہوگیا دونا سے چوگونا — ہوا جے پال لڑنے کے لئے شہ پا کے آمادہ

رقم جو حسب شرطِ صلح دینی تھی اُسے روکا — سواروں کو تقاضے میں سبکتگین نے بھیجا

یہ تھا سرگرم اتنا جنگ کی قوّت بڑھانے میں — رقم دینا کجا، بھیجا سبھوں کو جیل خانے میں

کہا پھر بھیک تک دوں گا نہ غزنی کے فقیروں کو — اگر چھوڑا نہ سلطاں نے مرے جنگی اسیروں کو

سنا سلطان نے لاہور کا جس وقت یہ قصّا — تو بجلی کی طرح جرّار فوجیں لے کے آپہونچا

نہ روکے سے رُکا پھر غزنی و ایران کا دھارا — جلال آباد و پشاور کا میداں بھر گیا سارا

اُدھر آنے لگی جے پال کی افواجِ امدادی
سلاحِ جنگ سے سرتا بہ پا تصویرِ فولادی

صف آرا اک طرف میداں میں پنجابی رسالہ تھا
جو تھا اپنی جگہ پر وہ اٹل تھا، اِک ہمالہ تھا

کماندارانِ کشمیری کہیں تیر و کماں تانے
کہیں اجمیر و کالنجر کی فوجیں برچھیاں تانے

کہیں کابل کے فولادی ہیں ال تیغِ دو دم تولے
چڑھائے اپنی اپنی آستیں کالے علم کھولے

کہیں امنڈا ہوا سیلاب قنوجی سواروں کا
کہیں بہتا ہوا طوفان سندھی جانثاروں کا

بڑی شوکت سے آگے سب کے تھا جے پال ہاتھی پر
جلو میں راجگانِ دہلی و قنوج و کالنجر

کہیں پیلانِ زریں سلسلہ صد ہا قطاروں میں
کہیں پیدل کے ہنگامے کہیں ہلچل سواروں میں

کہیں ناوک فگن ترکش سنبھالے اپنے کندھوں پر
کہیں برچھی کہیں بھالا کہیں نیزہ، کہیں خنجر

صدائے بوق و قرنا سے کہیں بادل گرجتے تھے
کہیں جے ہند کے نعرے کہیں نقارے بجتے تھے

کہا جے پال نے ہو کر مخاطب اپنے جنرل سے
کہ تم کو سامنا کرنا ہے آج اسلام کے دل سے

مرے ویرو فنونِ جنگ کی روحِ رواں تم ہو
تمہیں ہو بھیم و ارجن عزتِ ہندوستاں تم ہو

کچھ اس ڈھب سے لڑو دم بھر میں سلطاں ہو نہ سلطانی
خراسانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

جو تم چاہو تو زندہ باندھ کر لے آو شیروں کو
بڑھو اور بڑھ کے ملیامیٹ کر دو ان لٹیروں کو

مہابھارت میں تم نے ساری دنیا کی مہم سر کی
دکھا دی اک زمانے کو روانی آبِ خنجر کی

دلیر و جنگ جو، جانباز ہو، جنگ آزما تم ہو
سرِ میداں لڑیگا کون تم سے سورما تم ہو

جو لی ہے ہاتھ میں تلوار تو کچھ کر کے دکھلا دو
مٹا دو غزنوی فتنوں کو تم یا مر کے دکھلا دو

اگر تم نے نہ ہمّت کی تو پھر ہندوستاں کبتک
حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کبتک

بڑا رعب انکی جانبازی کا دنیا بھر میں چھایا ہے
عجب اسلام کا ڈھونگ ان درندوں نے رچایا ہے

جو آئے سامنے آماجگاہِ تیر و پیکاں ہو
اگر تیروں سے بچ جائے، تہہِ شمشیرِ برّاں ہو

تمہاری کامیابی پر نظر سارے جہانکی ہے
تمہارے ہاتھ میں آج آبروٗ ہندوستانکی ہے

راجہ جیپال اور اس کے معاونین کی فوج سے متواتر جنگ سبکتگین کی فتح اور جیپال کی شکست پنجاب، کابل، پشاور کا سلطان کے زیرِ اثر باج گزار ہونا

مسلماں اک طرف فارغ نمازِ صبح سے ہو کر
ہوئے اک ساتھ سرگرمِ دعا اپنے مصلّوں پر

کہ یارب ہم نہ حرصِ مال و دولت لیکے آئے ہیں
تری توحید پھیلانے کی حسرت لیکے آئے ہیں

مسلمانوں کا آج اس معرکے میں بول بالا ہو
فروغِ نورِ ایماں سے اندھیرے میں اُجالا ہو

تری توحید سے ناآشنا، بستی کی بستی ہے
صنمخانے ہیں، بُت ہیں، ہمہ یہ باطل پرستی ہے

حق و باطل کا تو اس معرکے میں فیصلا کر دے
ترے صدقے ہمارا آج پورا حوصلا کر دے

بھروسا زورِ بازو پر، نہ تکیہ مال و دولت پر
امیدِ فتح و نصرت ہے فقط تیری عنایت پر

بڑھی چہرونکی تابانی وفورِ حسنِ تمکیں سے
فضائیں ساری گونج اٹھیں وفورِ شورِ آمیں سے

سبکتگیں اٹھا اور چڑھ کے اک اونچی پہاڑی پر
پلٹ آیا معاً فوجِ عدو کا جائزہ لے کر

نگاہوں میں بچے کیا فوجِ دشمن کی فراوانی
تھا سر پر سایہ گستر پرچمِ افضالِ ربّانی

مسلح ہو چکیں فوجیں تو سلطاں نے یہ فرمایا
کہاں اے سر فروشو! سر سے چلنے کا مقام آیا

سنی کچھ تم نے بھی جیپال نے جو کچھ حماقت کی
ملا دو خاک میں بنیاد، لادینی حکومت کی

نہ لائے دھیان میں جو حکمراں ملکی تباہی کو
وہ خود دیتا ہے دعوت شحنۂ قہرِ الٰہی کو

کہاں جائیگا بچکر میرے فولادی شکنجوں سے
نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹیگا کبھی شیروں کے پنجوں سے

نجانے کیا ہوا ہے، کونسی طاقت پہ پھولا ہے — حقیقت میں وہ آج اپنی حقیقت آپ بھولا ہے

اٹھینگی آندھیاں اور بجلیاں برسینگی میدانمیں — نہ ٹھہریگا کبھی وہ نیزۂ و خنجر کے طوفانمیں

تمہیں ہندوستاں کے سارے بتخانوں کو ڈھانا ہے — صنم خانے کے پہلو میں، خدا خانہ بنانا ہے

گرا دو بجلیاں ایسی اٹھے وہ تیغ کا طوفاں — زمیں کو زلزلہ ہو، کانپ اٹھے جنگ کا میداں

فنا ہو جائیں اک حملے میں یہ کاغذ کی تصویریں — کماں مٹھی سے چھوٹے ہاتھ سے گر جائیں شمشیریں

سمٹ کر آئی ہے دنیائے ہندستاں تو کیا پروا — اٹھو اور اٹھ کے کردو فوج میں اک تہلکہ برپا

انہیں بتلا دو اک حملے میں، ہم آندھی ہیں طوفاں ہیں — جو فوجِ دہلی و قنوج و کالنجر پہ نازاں ہیں

کچھ ایسا توڑ دو، زورِ طلسمِ فتنہ پردازی — کہ رہ جائے زمانے کی زباں پر ذکرِ جانبازی

یہ سننا تھا کہ ہر جانباز نکلا قلبِ لشکر سے — فضائیں گونج اٹھیں نعرۂ اللہ اکبر سے

تصادم ہوتے ہی طوفاں نے سر ٹکرایا طوفاں سے — ہوا اک حشر برپا بارشِ شمشیر و پیکاں سے

کہیں جھنکار تیغوں کی کہیں تیروں کا زناٹا — جدھر گرتی تھی بجلی اُس طرف ہوتا تھا سناٹا

ادھر کڑکیں کمانیں اُس طرف ترکش ہوئے خالی — اُدھر گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئیں لاشوں کی پامالی

کہیں تیروں کی بارش تھی، کہیں خنجر برستے تھے
لہو کی ندیوں میں ہر طرف سے سر برستے تھے

فضا میں آندھیاں چلتی تھیں خونیں آبشاروں کی
کہیں گھوڑے تڑپتے تھے، کہیں لاشیں سواروں کی

جہاں اڑتے تھے سر اک خون کی ندی اُبلتی تھی
کہیں نیزے لچکتے تھے، کہیں تلوار چلتی تھی

کہیں سیلاب خوں میں سر لگے موجوں سے ٹکرانے
کہیں ٹخنے، کہیں پہونچے، کہیں گردن کہیں شانے

کہیں لتھڑے لہو میں سرفروشانِ خراسانی
کہیں ڈوبے ہوئے سیلابِ خوں میں ترک افغانی

کہیں کچلی یلانِ دہلی و ملتان کی لاشیں
کہیں روندی ہوئی شیرانِ ہندوستان کی لاشیں

جو فیل آما جگاہ تیر و پیکاں بنتے جاتے تھے
وہ از سر تا بپا طاؤسِ رقصاں بنتے جاتے تھے

تھا اک بہتا ہوا سیلاب آبِ تیغ بُرّاں کا
سفینہ جسمیں غوطہ کھا رہا تھا قالب و جاں کا

چمک جاتی تھیں تیغیں اس طرح فوّارۂ خوں میں
کہ جیسے کوندتی ہوں بجلیاں ابرِ شفق گوں میں

کہیں مٹتی ہوئی تصویر بھارت کے سپوتوں کی
کہیں اُڑتی ہوئی شانے سے گردن راجپوتوں کی

شجاعانِ عجم کا جنگ میں تھا دیدنی منظر
کبھی پشتِ فرس پر تھے کہیں نیزوں کی نوکوں پر

رہے دب کر نہ ہندی سورما شیرانِ ایراں سے
اڑے گردن سے سر لیکن نہ اُکھڑے پاؤں میداں سے

اٹھا لیتے تھے جس ہندی کو مسلم نوکِ نیزہ پر
وہ سینے کو دبا کر خود قلم کرتا تھا اُس کا سر

پڑی تھی اپنی اپنی جان کی سب کو یہ عالم تھا
سواروں میں سکت تھی کچھ نہ تیر انداز میں دم تھا

کئی دن تک مسلسل جنگ کا جاری رہا طوفاں
وہی نیزہ، وہی خنجر، وہی ناوک، وہی پیکاں

بالآخر آ گئے وہ سورما بھی کام لڑ بھڑ کر
بہت جے پال کو تھا ناز جن کے زورِ بازو پر

نہ ٹھہرے جنگ کے طوفاں میں پنجابی و ملتانی
یہ پسپا ہوتے جاتے تھے بڑھے جاتے تھے ایرانی

اماں چاہی جبینِ عجز بڑھ کر خاک پر رکھ دی
رہا دم خم نہ باقی، ہاتھ سے تیغ و سپر رکھ دی

بجے نقارۂ فتح و ظفر افواجِ سلطاں میں
کھڑے تھے مجرمانِ جنگ باندھے ہاتھ میداں میں

عمل میں آئی سردارانِ ہندی کی گرفتاری
کیا سلطان نے خیمے میں شکرِ ایزدِ باری

ہوئی فتح و ظفر لیکن ملال اس کا تھا ہر دل پر
کٹا نو دس ہزار اس جنگ میں اسلام کا لشکر

نمازِ شکر ادا کی غازیانِ فوجِ سلطاں نے
منائی عید اک ترکانِ غزنی و خراساں نے

لگے جو ہاتھ مال و زر وہاں مالِ غنیمت میں
وہ اونٹوں پر روانہ کر دیا دار الحکومت میں

ملا اس جنگ میں سلطان کو سامانِ جنگ اتنا
جو ساری زندگی میں بھی مہیا ہو نہ سکتا تھا

شکست فاش جب جیپال نے اس جنگ میں کھائی
نہ کچھ جب راجگانِ ہند کی امداد کام آئی

ہر اک راجہ نے لی راہِ فرار آہستہ آہستہ
روانہ ہو گئے سب غمگسار آہستہ آہستہ

سبکتگیں سے اپنی جان کی پہلے اماں چاہی
کیا پھر وعدہ تعمیل ارشادِ شہنشاہی

تو سلطاں نے ز راہِ لطف تسکیں دی امان بخشی
لیا تاوان جنگ اور ٹیکس سالانہ مقرر کی

اسی پر بس نہیں سلطان نے یہ بات بھی کہدی
رہیگی کابل و پنجاب و پشاور میں فوج اپنی

کیا جیپال نے منظور ان شرطوں کو مشکل سے
نکالا پھر غبارِ سابقہ آئینۂ دل سے

سبکتگیں بصد شوکت بصد حشمت معہ لشکر
گیا غزنی زرِ تاوان جنگی لیکے اونٹوں پر

سلطان سبکتگین کا غزنی پہونچنا اور کچھ دن کے بعد بلخ جانا اور وہیں انتقال کرنا۔ چھوٹے بیٹے اسمٰعیل کا تخت نشیں ہونا۔ اور محمود کا نیشاپور میں خبر پاکر غزنی آنا۔ اور آپس میں جنگ کے بعد بادشاہ ہونا

ہوا کس کو سکونِ قلب حاصل زندگانی میں
ملی کس کو حیاتِ جاوداں اس دارِ فانی میں

دمِ رخصت حکومت کا خزانہ کس کو کام آیا
رکا اِک لمحہ کب کوئی اجل کا جب پیام آیا
کہاں تک حرص دولت سیم و زر کا حوصلہ کب تک
کسی کا ساتھ دے سکتی ہے عمرِ بے بقا کب تک
جہاں میں آ کے کس نے چاشنی اِسکی نہ چکھّی ہے
اجل کے دوش پر جب زیست کی بنیاد رکھّی ہے
گلستانِ جہاں میں رات بھر کی میہمانی ہے
سحر تک صورتِ شبنم سبھی کا دانہ پانی ہے
سبکتگینؔ غزنی چھوڑ کر سوئے بلخؔ آیا
تو خدّامِ اجل نے آ کے پرچم سر پہ لہرایا
پڑا بیمار کچھ ایسا کہ وقتِ واپسیں آیا
ہوئی جب یاس جینے سے تو مرنے کا یقیں آیا
تب اسمٰعیلؔ کو جو سب سے چھوٹا شاہزادہ تھا
بلا کر اپنے پہلو میں بنایا جانشیں اپنا
پھر اس کے بعد خود دنیائے فانی سے ہوا رخصت
سدھارا ایک بیکس کی رکھّی کی رکھّی رہ گئی دولت
نہ راس آئی اُسے آب و ہوائے عالمِ فانی
ہوئی خاکِ بلخؔ آرامگاہِ تاجِ سلطانی
خبر مرگِ پدر کی پا کے تنہا محمودؔ کو سکتا
پھر اسمٰعیلؔ کو اک نامہ نیشاپور سے لکھّا
کہ اے جانِ برادر تجھ سے بڑھکر کون پیارا ہے
مرا تو قوتِ بازو ہے اور آنکھوں کا تارا ہے
حکومت کے لئے لازم ہے شرطِ تجربہ کاری
چلے جس کے نہ آگے کچھ کسی دشمن کی عیّاری

معمّر ہو، سیاست داں ہو اور جنگ آزما بھی ہو؟ — زمانہ ساز ہو، محنت کشِ رنج و بلا بھی ہو؟

خراسان و بخارا کی حکومت تمکو دیتا ہوں — اگر مانو تو مسند گاہِ غزنی آپ لیتا ہوں

لڑکپن سے مجھے ہے حوصلہ کشور ستانی کا — ارادہ سارے ہندوستان پر ہے حکمرانی کا

نہ اسمٰعیل نے محمود کی اک بات بھی مانی — ہوئی کچھ بدظنی ایسی کہ دل میں جنگ کی ٹھانی

وہ کیا لڑتا کہ خود اپنے خدنگوں کا نشانہ تھا — تنِ تنہا تھا یہ، محمود کے ساتھ اک زمانہ تھا

کئی جنگیں ہوئیں لیکن نہ لایا دھیان میں اسکو — کیا پابند آخر قلعۂ جرجان[1] میں اُس کو

سرِ محمود پر رکھا گیا جب تاجِ سلطانی — ہوئی کچھ اور ہی ہر شخص کے چہرے کی تابانی

چمک اٹھی حکومت اہتمامِ مملکت بدلا — زمیں بدلی فلک بدلا، مزاجِ سلطنت بدلا

سنوارے اپنے گیسو لیلئ صبحِ تجلّے نے — نئی پوشاک بدلی شاہدِ امروز فردا نے

ہوئی دنیا نئی دنیا نے اپنی کینچلی بدلی — فضا بدلی، ہوا بدلی، ہوا کی دلکشی بدلی

الاپیں ساز کی بدلیں تو دُھن بدلی ترانے کی — ہوئی دنیا منظم، تھم گئی گردش زمانے کی

گری پڑتی تھی قدموں پر زمانے کی شہنشاہی — کھڑی رہتی تھی باندھے ہاتھ فغفوری و جمجاہی

[1] شہر بلخ کے مضافات میں ایک قلعہ کا نام ہے۔ (از تواریخ فرشتہ)

کرم تھا، عدل تھا، انصاف تھا، راحت رسانی تھی
نیا نوشیرواں تھا اور نئی نوشیروانی تھی

بسر ہوتا تھا لمحہ لمحہ فکرِ فتح و نصرت میں
جھکائے تاجدارانِ جہاں نے سر اطاعت میں

جدھر اُٹھ جاتی تھیں آنکھیں فضا خاموش رہتی تھی
جدھر ہوتا تھا رُخ، فتح و ظفر لبیک کہتی تھی

کچھ ایسا ہمہمہ تھا ہر طرف اقبال و دولت کا
کہ ہل جاتا تھا دل سارے زمانے کی حکومت کا

اِدھر ہندوستاں کی ہر حکومت کانپ جاتی تھی
اُدھر بغداد کی شانِ خلافت[1] کانپ جاتی تھی

اِدھر پنجاب و پشاور کے میدانوں میں ہل چل تھی
اُدھر گجرات و کاشی کے صنم خانوں میں ہلچل تھی

یہ عالم تھا کہ پتّہ بھی اگر کوئی کھڑکتا تھا
تو گر پڑتی تھی غش کھا کھا کے دنیا، دِل دھڑکتا تھا

گھروں میں تذکرہ ہوتا تھا، بازاروں میں چرچا تھا
خریداروں میں چرچا تھا، دکانداروں میں چرچا تھا

کہیں اٹھتی نظر جیپال پر، تلوار پڑتی تھی
کہیں ہوتا تھا رُخ ہندوستاں کی سانس اُکھڑتی تھی

اُمنڈ آتا تھا سیلابِ دمِ شمشیر نظروں میں
پھرا کرتی تھی ہر دم موت کی تصویر نظروں میں

گھروں میں تھے مگر نظروں میں تھا، نظّارہ جنگوں کا
کمانوں کی کڑک سنتے تھے زنّاٹا خدنگوں کا

---

[1] اقتباس از عہد اسلامی کا ہندوستان (مولانا ریاست علی ندوی)

محمود غزنوی کا ہندوستان پر پہلا حملہ۔ راجہ جیپال کا شکست کھا کر مقیّد ہونا۔ پھر رہا ہو کر باج گذار ہونا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق چِتا میں بیٹھ کر جل مرنا

سر دربار فوجی افسروں کو اپنے بلوایا
تو پھر محمود نے سب سے مخاطب ہو کے فرمایا

ہمیں کچھ فوج لیکر سوئے ہندوستان جانا ہے
مزہ جے پال کو وعدہ خلافی کا چکھانا ہے

نہیں چلنے کی میرے سامنے اسکی سخن سازی
کہاں دیکھی ہے اُس نے میرے جانبازوں کی جانبازی

فنا کر دیں گے، یا پابند زنداں کر کے چھوڑینگے
نہ پلٹینگے کبھی جبتک غرور اُس کا نہ توڑیں گے

لڑکپن ہی سے میرے سر میں ہے اس بات کا سودا
کہ سارے ملک ہندوستان پہ ہو اسلام کا قبضہ

وہاں رکھا ہوا، باطل پرستی کے سوا کیا ہے
فقط چنگ و رباب و ساز و رقص بے حیایا ہے

ہمیں بھی دیکھنا ہے ہند میں ہیں سورما کتنے
خدنگ انداز کتنے ہیں، وہاں جنگ آزما کتنے

لڑیں گے کیا وہ جنکی توند کی چربی پگھلتی ہے
ہمیشہ ہاتھیوں پر جن کی زندہ لاش چلتی ہے

دمِ جنگ اُن کو اکثر بھاگتے دیکھا ہے میداں میں
نہ ٹھہریں گے کبھی یہ نیزہ و خنجر کے طوفاں میں

ڈبو دیگا تمہاری تیغِ خوں آشام کا پانی
کجا شیرِ نیستانی، کجا غولِ بیابانی

دکھا دو رستم و سہراب و روئیں تن کی جانبازی
بھلا دو بھیم و ارجن کا فسونِ ناوک اندازی

یہ سنکر افسرانِ فوج میں تازہ اُمنگ آئی
ہوا پیدا سرِ نو دل میں ذوقِ رزم آرائی

مسلح ہو گئی افواج حسبِ حکمِ سلطانی
چلا ہندوستاں کی سمت یہ سیلابِ طوفانی

مورّخ خامہ فرسا ہے کہ سارا ہند کانپ اُٹھا
ہوا اس شان سے خونریز دس سو ایک (۱۰۰۱) کا حملہ

جو پہونچی ساحلِ بحرِ اٹک پر فوجِ سلطانی
کلیجہ ہندیوں کا خوف سے ہونے لگا پانی

یہاں تھی راجگانِ ہند کی افواج بے پایاں
جو پہلے سے کمک میں آئی تھی باصد سر و ساماں

سوار اکتیس ہزار اور تین سو ہاتھی کا ریلا تھا
علاوہ اس کے لا تعداد پیدل کا جھمیلا تھا

کماندار اک طرف جوڑے ہوئے ناوک کمانوں میں
کہیں خونریزیوں کی تھیں اُمنگیں پہلوانوں میں

کہیں نیزے پہ نیزے تھے کہیں بھالے پہ بھالے تھے
کہیں ناوک فگن تیر اپنے ترکش سے نکالے تھے

سواروں کو کہیں تھا حوصلہ تیغ آزمائی کا
کہیں تھا اِک تکلف فوج میں پرچم کشائی کا

کہیں جیداریوں کیساتھ ہونٹھوں کے رجز خوانی
کہیں چھایا ہوا ہر دل پہ خوفِ فوج سلطانی

غرض جیپال میداں میں بہ ایں سامان جنگ آیا
لئے ساتھ اپنے اک طوفان پیکان و خدنگ آیا

نہ کچھ پیغام صلح و آشتی کی بات راس آئی
لگی ہونے دو طرفہ دونوں فوجونکی صف آرائی

کماندار اکطرف محشر بداماں تیر و پیکاں سے
سوار اک سمت موجِ خوں میں غلطاں تیغ بُرّاں سے

کہیں ہندوستاں کے سورما نیزے کی نوکوں پر
کہیں غزنی کے خنجر آزما بے گردن و بے سر

اٹھی میداں میں اک آندھی وفورِ تیر و پیکاں سے
بہا اک خون کا سیلاب آبِ تیغ بُرّاں سے

سوار اک سو لہو کی موجِ طوفاں میں نہاتے تھے
کماندار اپنے بہتے خون میں غوطے لگاتے تھے

ہوا انبار میداں میں کچھ ایسا گردن و سر کا
کہ دم گھٹنے لگا میداں میں جانبازان لشکر کا

قیامت تھی بپا ہر سمت تلواروں کی سن سن سے
گرے آخر وہ گھوڑے سے اُڑے سر جنکی گردن سے

جو ہاتھی اک طرف بھاگے چلے جاتے تھے میداں سے
تو پس جاتی تھیں فوجیں انکی رفتار ہراساں سے

سرِ میداں کڑکتی تھیں کمانیں تیر چلتے تھے
جدھر دیکھو اُدھر فوارۂ خونیں اُبلتے تھے

نہ ہندی معرکے میں جنگ کا پہلو بدلتے تھے
نہ ترکانِ عجم سر دیکے بھی میداں سے ٹلتے تھے

جدھر اٹھتی نظر گھمسان تھی رن پڑتا جاتا تھا
بڑی جانبازیوں سے ہر سپاہی لڑتا جاتا تھا

کئی دن تک رہا جب معرکے کا سلسلہ جاری
تو ہندی فوج کی رخصت ہوئی آخر کو جیداری

ہوا اک یاس کا عالم وفورِ تیغ و پیکاں سے
قدم اکھڑے یکایک فوج ہندستاں کے میداں سے

یہ عالم اپنے جانبازوں کا جب جیپال نے دیکھا
بہت گھبرا کے اُس نے بھی لیا لاہور کا رستہ

پہونچکر قلعہ میں پھاٹک کیا بند اُس نے اندر سے
مگر ڈر تھا نہ دشمن کا کوئی حملہ ہو باہر سے

منائی غزنوی نے فتح کی ایک عید میدانمیں
لگے نقارے بجنے فوج غزنی و خراساں میں

ہوئی کچھ اور سے کچھ اور ہر چہرے کی تابانی
زباں پر تھا مسلمانوں کے شکر فضلِ ربّانی

ہوا کچھ شہسواروں کو یکایک حکم سُلطانی
کرو جیپال کو حاضر بہ آئینِ نگہبانی

کئی سو شہسوار آ پہونچے اُسکے قلعہ کے در پر
کئی دن تک رہا روپوش نکلا ہی نہیں باہر

تو پھر سمجھا کے اُسکے رشتہ داروں نے اُسے لایا
جب آیا سامنے تو غزنوی نے اُس سے فرمایا

کہ اب بھی رہگیا ہے اور کوئی حوصلہ دل میں
وہ سب کچھ ہو چکا پُورا جو کچھ ارمان تھا دلمیں

فقط جیپال نے کی التجا اپنی رہائی کی
کہا سلطان نے اس شرط پر میں نے اماں بخشی

کراب سے چھوڑدے تو اپنی خوئے فتنہ کاری کو
فریب و کینہ و بغض و فساد و بدشعاری کو

ادا کر مال باقی و زر تاوان و جُرمانہ
بُھلا دے اپنے دل سے کینۂ ماضی کا افسانہ

کیا جیپال نے منظور ہر ارشادِ سُلطانی
نہ لایا لب پہ حرفِ عذر جتنی شرط تھی مانی

ملا تاوان و جرمانے میں جتنا نقد سیم و زر
کیا محمود نے غزنی روانہ اُن کو اونٹوں پر

ہوا خود بھی روانہ بعد اُسکے لیکے فوج اپنی
بنائی شاہراہِ عام ہندستاں سے تا غزنی

ہوا جے پال پابندِ اطاعت جب غلامانہ
لگی غزنی پہونچنے بے تامّل باج سالانہ

مگر محکومیت تھی راجپوتوں میں وہ ناپاکی
بجز اس کے نہ تھی تدبیر کوئی پاک ہونے کی

کہ وہ جل جائے اور جلکر چتا میں خاک ہو جائے[1]
بدل جائے نیا قالب، تو قصّہ پاک ہو جائے

جو تھا آنندپال اک نوجواں اس کا بڑا بیٹا
اسی فرزند کو مالک بنا کر راج گدی کا

ہوا راہی عدم کو خود چتا میں جل کے جیتے جی
مٹایا اس طرح دامن سے اپنے داغ بدنامی

کہاں ہے ساری دنیا میں اب ارمانِ جوانمردی
کہ مر مٹنے پہ بھی زندہ رہے شانِ جوانمردی

[1] اقتباس از تاریخ فرشتہ ۔ و عہد اسلامی کا ہندوستان

محمود غزنوی کا دوسرا حملہ راجے بھاٹیہ اور حکمرانِ ملتان اور انند پال کا مقابلہ کرنا اور جنگ میں تینوں کا شکست کھانا

انند پال کا کشمیر بھاگ جانا

مگر حکمرانِ بھاٹیہ نے جب خبر پائی
کہ محمود آ رہا ہے پھر بہ قصدِ رزم آرائی

تو بربادی کا اپنی اسکے دل میں اک خیال آیا
معاً گھبرا کے گھر سے جانبِ آنند پال آیا

معافی اپنی نافرمانیوں کی آتے ہی چاہی
پھر اس کے بعد لائی لب پہ تمہیدِ ہوا خواہی

کہ پشاور پہونچکر تو اگر رستہ نہ روکے گا
نجانے پھر ہمارے ملک کا انجام ہوگا کیا

یہاں سے والیِ ملتان کی خدمت میں جاتا ہوں
میں اسکو بھی مع فوجِ گراں ہمراہ لاتا ہوں

اگر مل جل کے تینوں جنگ کا طوفاں اٹھائینگے
مزہ محمود کو اس کی حماقت کا چکھائینگے

ابھی دیکھی کہاں ہے جنگ اس نے میرے شیروں کی
ٹھہر سکتے نہیں میداں میں ہمت کیا لٹیروں کی

یہ غارتگر ہیں لڑ بھڑ کر گھمنڈ ان کا نہ توڑینگے
تو سارے ملک کو اکدن یہ ویراں کرکے چھوڑینگے

یہ سُن کر لیکے فوج اپنی اُدھر آنند پال آیا
جو شامت آئی تو باسی کڑھی میں پھر ابال آیا

اِدھر بو الفتح[1] داؤد آیا لشکر لے کے میداں میں
اٹھا اک اور طوفاں نیزۂ و خنجر کے طوفاں میں

یہاں دل میں ٹھنی تھی راستہ روکینگے طوفاں کا
کہ پہونچا ناگہاں سیلاب غزنی و خراساں کا

پھر اتری ساحلِ بحرِ اٹک پر فوج سلطانی
ہوا جاتا تھا جس کے ڈر سے شیروں کا جگر پانی

مصلے بچھ گئے میداں میں جب وقتِ نماز آیا
جو آیا سجدہ معبود میں با سوز و ساز آیا

ہوئے سجدے سے فارغ فتح و نصرت کی دعا مانگی
لگی ہونے دو طرفہ فوج کی میدانمیں صف بندی

کھڑا دستہ ہوا میدانمیں جانبازانِ لشکر کا
اٹھا طوفاں خدنگ و نیزہ و شمشیر و خنجر کا

کہا سلطاں نے تمکو آج اپنی لاج رکھنی ہے
وقارِ قوم و ملّت آبروئے تاج رکھنی ہے

سرِ میداں دکھادو تم وہ جانبازیکی تصویریں
کہ ہل جائیں فریب و مکر و عیاری کی تعمیریں

وہ ٹھہریں گے تمہارے سامنے کس زور و طاقت پر
فقط لے دیکے جو نازاں ہیں اپنی اکثریت پر

نمائش ہی نمائش ہے فقط ہاتھوں میں شمشیریں
جو تم پھونکو تو اُڑ جائینگی یہ کاغذ کی تصویریں

کھڑے رہجائینگے اپنی جگہہ سے بڑھ نہیں سکتے
یہ گیدڑ ہیں کبھی شیروں کے مُنھ پر چڑھ نہیں سکتے

[1] عربی حکومت کی چھوٹی سی بچی بچائی حکومت کے فرمانروا کا نام جو ملتان میں تھی، جس نے اپنے ہم وطن ہندو فرمانرواؤں کا ساتھ دیا۔

تمہارا راستہ روکیگا وہ کس زور و طاقت سے
کہ جس کے باپ نے موڑا نہ منہ برسوں اطاعت سے

تمہیں تو بھاٹیہ کی صرف طاقت آزمانی ہے
تکبر توڑنا ہے اسکی ہمّت آزمانی ہے

بہ مجبوری اب ان دونوں سے بھی مڈبھیڑ ہوتی ہے
وہ کب بیدار ہو سکتا ہے قسمت جسکی سوتی ہے

نہ ہو کچھ شرم و غیرت جس کو وہ مکار و پرفن ہے
جو آئے دشمنوں کے ساتھ لڑنے کو وہ دشمن ہے

تذبذب تا کجا، لو جوہرِ شمشیر دکھلا دو
کہاں کا انتظار اب موت کی تصویر دکھلا دو

سوار آگے بڑھے، ہونے لگیں تیروں کی بوچھاریں
صفیں گرنے لگیں چلنے لگیں ہر سمت تلواریں

کڑکتی تھیں کمانیں، تیر ترکش سے نکلتے تھے
خدنگ و نیزہ و خنجر کے وار اک ساتھ چلتے تھے

کہیں بہتی تھی جوئے خوں کہیں اُڑتے تھے فوارے
کہیں انبار لاشوں کا، کہیں تھے خون کے دھارے

صفیں گرتی تھیں صف پر جب کہ بہہ جاتی تھیں تلواریں
کہ جیسے بارشِ باراں میں گر پڑتی ہیں دیواریں

اِدھر خونخوار نیزے پشت و پہلو توڑ کر نکلے
اُدھر روحوں کے طائر آشیانے چھوڑ کر نکلے

جدھر دیکھو اُدھر لاشوں کا اک انبار تھا ہر سُو
کہیں گردن، کہیں پہلو، کہیں شانے کہیں بازو

تبر اُڑتے تھے تلواریں، جو تلواروں پہ پڑتی تھیں
بپا تھا حشر، عزرائیل کی سانسیں اُکھڑتی تھیں

جدھر تلوار اٹھی اس طرف گھمسان کر آئی — چلی جب صف پہ دم بھر میں اسے ویران کر آئی

یکایک حکمرانِ بھاٹیہ نے راہ لی اپنی — تو پھر بوالفتح کی بھی فوج میداں میں نہیں ٹھہری

یہ جب چلتے ہوئے گھبرا گیا آنند پال ایسا — ملا موقع تو اُس نے بھی لیا کشمیر کا رستا

سرِ میداں جب اُکھڑے پاؤں افواجِ مخالف کے — کئے سجدے پہ سجدے غزنوی اور اُس کے جنرل نے

لگے نقّارے بجنے فتح و نصرت کے سرِ میداں — بہت ہاتھ آئے ترکانِ عجم کو جنگ کے ساماں

تو پھر ڈرتا ہوا سکھ پال پیشِ غزنوی آیا — ہوا حاضر تو آدابِ غلامانہ بجا لایا

کہا پھر باپ کی عیّاریوں سے میں ہوں خود نادم — اماں دی جائے اب تو خواستگارِ رحم ہے خادم

سُنی جب غزنوی نے عاجزانہ گفتگو اُسکی — بلا کر اپنے پہلو میں تشفی دی اماں بخشی

ادا اُس نے کیا تاوانِ جنگ اور باج سالانہ — رہا پنجاب کا حاکم بدستورِ قدیمانہ

معافی آکے پھر بوالفتح نے سلطان سے مانگی — زرِ تاوانِ جنگی لیکے اس کو بھی اماں بخشی

نہ آیا بھاٹیہ جب تو بلایا اس کو سلطاں نے — سواروں پر لگا وہ اپنی چھت سے تیر برسانے

بہ مجبوری عمل میں آئی پھر اس کی گرفتاری — کچھ ایسی بات کی اُس نے کہ آئی قتل کی باری

ہم پنجاب و پشاور کی جب کی غزنوی نے سر ہوا غزنی روانہ لیکے لاتعداد سیم و زر

محمود غزنوی کا ہندوستان پر تیسرا حملہ۔ مختلف مقامات قنوج متھرا، تھانسیر قلعہ کانگڑا کی فتوحات کے بعد اُس کا کشمیر جانا اور برف باری سے اسکی فوج کا برباد ہونا

ہوا پھر غزنوی کو از سر نو حوصلا پیدا چلا غزنی سے اور چلکر لیا قنوج کا رستا

بڑی تعداد میں تھی فوج غزنی و خراسانی اُمنڈ آئی تھی آبِ خنجر بُرّاں کی طغیانی

یہ سیلابِ بلا جب سرحدِ قنوج پر پہونچا تو ذرّہ ذرّہ سارے شہر کا دہشت سے کانپ اُٹھا

جو تھا پیشِ نظر پنجاب و پشاور کا افسانہ ہوا خود والئ[1] قنوج حاضر لے کے نذرانہ

کچھ اتنی اُس نے دولت پیش کی نذرِ عقیدت میں کہ ہاتھ آتا نہ بعد از جنگ بھی مالِ غنیمت میں

اطاعت کی قبول اُس نے زراہِ عقل و دانائی دلِ سلطانِ غزنی میں بڑی اونچی جگہ پائی

پھر اُس نے خوشدلی سے باج سالانہ مقرر کی ہوا جس سے یکے از جاں نثارانِ شہہ غزنی

[1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس نے اسلام لایا اور پھر اسلام سے منحرف ہو گیا۔

چلی بعد اس کے متھرا کی طرف افواجِ سُلطانی
خس و خاشاک کو دھوتا گیا سیلابِ طوفانی

یہاں مخلوق ساری ہر جگہ تصویرِ حیرت تھی
جو آ کر سامنا کرتا بھلا یہ کس میں طاقت تھی

درونِ شہر ایسا بتکدہ تھا آسماں رفعت
علاوہ اس کے مندر میں تھا اک گنجینۂ دولت

سبھی پتھر کی مُورت کو خدا اپنا سمجھتے تھے
مُصیبت میں اُسے حاجت رَوا اپنا سمجھتے تھے

جو دیکھا غزنوی نے یہ تماشا تلملا اُٹھّا
نہ جب دیکھا گیا آنکھوں سے غیر اللہ کا سجدہ

کچھ ایسا جذبۂ باطل پرستی پر عتاب آیا
کہ مندر توڑنے کا حکم صادر اُس نے فرمایا

سمجھتا تھا کہ ہر الزام گمراہی سے ہم چھوٹے
نہ سمجھا انہدام بتکدہ سے کتنے دل ٹوٹے

ہوا جب منہدم مندر تو وہ گنجینہ ہاتھ آیا
جو اگلے راجگانِ ہند کا تھا اس میں سرمایا

یہاں کے ہر کہہ و مہہ نے غلامانہ اطاعت کی
دُہائی پھر گئی متھرا میں سُلطانی حکومت کی

ہوئی افواجِ سُلطانی روانہ سوئے تھانیسر
یہاں تھا کانگڑا کے قلعہ کا مشہور سیم و زر

تھا راجہ بھیم سین[1] اس قلعہ کا فرمانروا پہلا
اسی کے عہد سے تھا جمع ہر راجہ کا سرمایہ

درونِ قلعۂ سنگی نہاں کچھ اتنی دولت تھی
کہ سارے ملک ہندستاں میں جس دولت کی شہرت تھی

[1] بھیم سین قدیمی ہندوستان کا فرمانروا، جس کی دولت کی بہت شہرت تھی (از تاریخ فرشتہ)

گذر جاتے تھے بابِ قلعہ سے باہودجِ پُر زر — سوارانِ سُبک رفتار و پیلان گراں پیکر

مسلح ہر گھڑی پھاٹک پہ دستہ راجپوتوں کا — نمایاں جس سے تھا اقبال بھارت کے سپوتوں کا

سنان و نیزۂ و خنجر کا اک سیلاب بے پایاں — کہ جس سے کانپتا رہتا تھا سارا ملک ہندستاں

اٹھا اک شور تھانیسر میں ہر قلبِ پریشاں سے — کہ محمود آگیا غارت گری کے ساز و ساماں سے

ہوا راجہ ہراساں اس قدر سُن سُن کے آوازہ — کیا بند اس نے اپنے قلعۂ سنگی کا دروازہ

یکایک زلزلہ آیا، فضا بدلی، زمیں سرکی — صدائیں گونج اُٹھیں نعرۂ اللہ اکبر کی

جب آیا غزنوی شامل لئے فوجِ خراسانی — تو گھیرا قلعۂ سنگیں کو ترکوں نے بہ آسانی

جو راجہ تین دن کے بعد پھاٹک کھول کر نکلا — مسلمانوں پہ ہندی سُورماؤں نے کیا حملہ

تصادم ہوتے ہی دونوں طرف چلنے لگے خنجر — کہیں اڑتی تھی گردن، موجِ خوں میں تیرتے تھے سر

اُدھر کوٹھے سے پیہم ہو رہی تھی بارشِ پیکاں — اِدھر دم بھر میں صف کی صف ہوئی بے گردن و بیجاں

قدم اکھڑے یکایک معرکے سے راجپوتوں کے — مقیّد کر لیا راجہ کو بڑھ کر فوجِ غزنی نے

جب آیا غزنوی کے سامنے راجہ حراست میں — بمنّت ہاتھ باندھے عرض کی سلطاں کی خدمت میں

کہ میں نے اپنی بیجا حرکتوں کی خود سزا پا لی
رہوں گا اب سے میں پابند حکم خدمت عالی

اماں دیجائے تجھ سے اپنی جان بخشی کا خواہاں ہوں
سراپا جرم و عصیاں ہوں، سراپا جرم و عصیاں ہوں

رہا اسکو کیا سلطاں نے باشرطِ وفاداری
پھر اُس نے کی زرِ تاوان جنگی کی اداکاری

بہ حسبِ حکم سلطاں باج سالانہ مقرر کی
جو اپنے وقت پر ہندوستاں سے جائیگی غزنی

غنیمت میں ہزاروں لونڈیاں صدہا غلام آئے
علاوہ سیم و زر نادر سے نادر سینکڑوں تحفے

لگی بڑھنے سوئے کشمیر پھر افواج سُلطانی
وبالِ جاں ہوئی رستے میں رستے کی پریشانی

یہ نوبت آگئی گھوڑے ہوئے عاجز سواری سے
لگیں ہونے تلف فوجیں وفورِ برفباری سے

دیا پھر غزنوی نے حکم اپنے جاں نثاروں کو
کہ چھوڑو وادیٔ کشمیر کے اب سبزہ زاروں کو

نکالو کوئی ایسا راستہ، جس سے بہ آسانی
پہونچ جائے سلامت تابہ غزنی فوج سلطانی

بہت افواج سلطانی ہوئی برباد رستے میں
بہت جھیلے مصائب بادلِ ناشاد رستے میں

بالآخر تابہ غزنی آگئے، باصد پریشانی
وطن کی سرزمیں میں کچھ دنوں آرام کی ٹھانی

محمود غزنوی کے ہندوستان پر متواتر حملے - دھلی، اجمیر، کالنجر، گوالیار، گجرات، اور سومنات کی فتوحات کے بعد آیاز کو لاہور کا پہلا حاکم بنا کر دوبارہ کشمیر جانا

کچھ ایسا سر زمین ہند پر تھا غزنوی مفتول[1] ۔۔۔ کہ ہر دم اُس کے ہونٹھوں پہ تھا جس کے فتح کا مضمون

پھر آیا لیکے اک جرّار لشکر سوئے ہندستاں ۔۔۔ یکایک کانپ اُٹھّا دھلی و اجمیر کا میداں

ہوا سکتے میں سُن کر والیٔ گجرات و کالنجر ۔۔۔ پڑا اک زلزلہ دہشت سے دھلی تا گوالیر

یہ دہشت تھی کہ پتّا بھی اگر کوئی کھڑکتا تھا ۔۔۔ تو چیخ اُٹھتا تھا ذرّہ ذرّہ، لے لو غزنوی آیا

بگولا بھی اگر اٹھتا تو ہر سُو غل یہ ہوتا تھا ۔۔۔ چلو بھاگو کہ ترکانِ عجم کا قافلہ پہونچا

جنوبی ہند کے جاٹوں نے سر اتنا اٹھایا تھا ۔۔۔ کہ ہندوستان بھر میں اُنکی جیداری کا تھا چرچا

کیا رُخ غزنوی نے سب سے پہلے اُس طرف اپنا ۔۔۔ تصادم ہوتے ہی چھکّا چھڑایا سالے جاٹوں کا

---

[1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ متھرا اور سومنات کا مندر محمود غزنوی نے ہرگز نہیں توڑا - بلکہ وہاں کے برہمنوں نے بدعقیدہ ہو کر توڑا ہے - ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمان ان دیوتاؤں کی روحانی طاقت پر فتح پا نہیں سکتے -

مطیعِ حکمِ سلطانی ہوئے تیغ و سپر رکھ دی | تو پھر شرطِ خراج اک غزنوی نے انکے سر رکھ دی

مخاطب پھر ہوئی سرحد کی جانب فوجِ سلطانی | ہوئی آزاد قوموں کی جماعت میں پریشانی

قبیلے چھپ گئے دروں میں اور کچھ متحد ہو کر | مسلسل تیر برسانے لگے افواجِ غزنی پر

بالآخر ان کے سرداروں نے آکر معذرت چاہی | بڑے ہی عاجزی سے لب پہ تھا حرفِ ہوا خواہی

قبیلوں نے کیا پھر مل کے عہد امدادِ فوجی کا | تو روکی غزنوی نے جنگ، دھلی کا لیا رستا

کئی دن کی مسلسل منزلِ وحشت اثر کاٹی | ہوئیں طے منزلیں آخر صعوبات سفر کاٹی

ہوا جب داخلہ گڑنے لگے خیمے لبِ دریا | دفورِ خوف سے ہر سمت تھا اک زلزلہ برپا

کئی دن تک نہ نکلا کوئی بچہ بھی کسی گھر سے | فضائیں گونج اٹھیں نعرۂ اللہ اکبر سے

اذاں کے بعد باندھی صف نمازِ صبح گاہی کی | تو دوڑی روشنی چہروں پہ انوارِ الٰہی کی

رہا پھر کچھ نہ باقی امتیازِ بندہ و آقا | تھے محمود و ایاز اک صف میں باندھے ہاتھ استادہ

یہاں جو بھی کھڑا تھا اُس کے لب پر ذکرِ یزداں تھا | کسی نے بھی نہ سمجھا کون خادم، کون سلطاں تھا

نمازیں پڑھ چکے تو ہاتھ اُٹھے سلطانِ غازی کے | دعائے فتح و نصرت لب پہ تھی اِک اِک نمازی کے

کہ یارب ہر جگہ اس ملک میں باطل پرستی ہے — تری توحید سے ناآشنا بستی کی بستی ہے

ہم اپنے دل میں ارمانوں کی دنیا لے کے آئے ہیں — تری توحید پھیلانے کا جذبہ لے کے آئے ہیں

ہمیں لالچ دلائے جا رہے ہیں بت فروشی کے — ہمارے نام کو تو بت شکن ہونے کی عزت دے

ادھر پہلے سے راجہ نے کیا تھا جنگ کا ساماں — بڑی جرّار فوج اپنی کھڑی کر دی سرِ میداں

کئی سو ہاتھیوں کے ساتھ خود تھا ایک ہاتھی پر — جلو میں راجگانِ کاشی و اجمیر و کالنجر

کمانداروں کی صف کچھ دور پر آگے سواروں سے — نظر آتے تھے ہاتھی کچھ زیادہ راہواروں سے

لگی ہونے مسلمانوں پہ بارش تیر و پیکاں کی — سروں پر بجلیاں گرنے لگیں شمشیرِ برّاں کی

خدنگ اندازیوں سے اک ہوائے تند چلتی تھی — کہیں نیزے کہیں خنجر کہیں تلوار چلتی تھی

بڑھے جب سر بکف گھوڑوں پہ ترکانِ خراسانی — نہ ٹھہرے فوجِ ہندوستاں میں پیلانِ کہستانی

لگا نیزہ کسی ہاتھی کے مستک پر تو وہ بھاگا — پھر اُس کے بعد میداں میں کوئی ہاتھی نہیں ٹھہرا

پڑی بھاگڑ نہ روکے سے رُکا راجہ کا ہاتھی بھی — اسی کے ساتھ لی افواج نے راہِ فرار اپنی

کچھ ایسی پس گئیں فوجیں کہ میداں ہو گیا خالی — ہوئی جس سے سبھی راجہ کے منصوبوں کی پامالی

یکے بادیگرے آئے سبھی سلطاں کی خدمت میں — لگے کہنے جگہ دی جائے اب دامانِ شفقت میں

ہمیں ہے اپنے بیجا حرکتوں کی خود پشیمانی — معافی چاہتے ہیں ہم کہ ناحق جنگ کی ٹھانی

تو سُن کر غزنوی نے ازرہِ شفقت یہ فرمایا — تمہاری سادہ لوحی پر مجھے بھی اب تو رحم آیا

جُداگانہ ہر اک سے لیں گے ہم تاوانِ جنگ اپنا — ہمیشہ تم کو پہونچانا پڑے گی باج سالانہ

یہ مجبوری اطاعت ہے ریاکاری و عیّاری — نہ چھُوٹے جیتے جی ہاتھوں سے دامانِ وفاداری

تو بولے راجگانِ دھلی و اجمیر و کالنجر — یہ تینوں شرط کی منظور ہملوگوں نے خوش ہوکر

ملے اِس جنگ میں سلطان کو کچھ اتنے سیم و زر — کہ اک دستہ گیا ہمراہ غزنی لیکے اونٹوں پر

سوئے کشمیر پھر بڑھنے لگی افواجِ سلطانی — پڑی پھر جھیلنی رستے میں تکلیفاتِ روحانی

پہونچنا تھا کہ راجہ آگیا سلطاں کی خدمتمیں — لگا کہنے مری عزت ہے سلطانی اطاعت میں

جو کچھ ارشاد ہو وہ سب بجالانے کو حاضر ہیں — غلامِ سلطنت ہیں کب کسی خدمتمیں قاصر ہیں

ہوا خوش غزنوی اور سُن کے تحسینِ عقیدت کی — پڑی بنیاد دونوں دل میں تعمیرِ محبت کی

رہی کچھ روز تک کشمیر میں افواجِ سلطانی — وہاں سے غزنوی نے یک بیک لاہور کی ٹھانی

بہت تحفے تحائف کے علاوہ دیکے سیم و زر   کیا راجہ نے رخصت فوج سلطانی کو خوش ہو کر

جب آیا غزنوی لاہور کی دارالحکومت میں   تو پھر کچھ وسوسے پیدا ہوئے اس کی طبیعت میں

ایاز نیک خو کو کر کے پہلا حکمراں اپنا   بٹھا دی فوج اپنی اور لہرایا نشاں اپنا

ہوا جب غزنوی کا سارے ہندوستان پر قبضا   پیام آنے لگا ہر سمت سے نذرِ عقیدت کا

تو پھر لاہور سے گجرات با صد التفات آیا   بڑی جانباز فوجیں لیکے سوئے سومنات آیا

تھا بتخانہ بلندی میں کہیں اونچا ہمالہ سے   کلس مندر کا باتیں کر رہا تھا عرشِ اعلیٰ سے

کبواڑ اور چوکھٹے سونے کے تھے سونے کا تالا تھا   کہ جسکی ضو فشانی سے اندھیرے میں اجالا تھا

تھی دو سو[2] من کی زنجیر طلائی اس میں آویزاں   علاوہ اس کے الماس و جواہر جا بجا چسپاں[1]

خلا میں ایک بت بے لاگ ہر سو سے معلق تھا   جو آتا تھا بصد تعظیم کرتا تھا اسے سجدہ

ضیا پھیلی ہوئی ہر سمت الماس و جواہر کی   اندھیری کوٹھری میں جس سے تھی اک چاندنی چھٹکی

یہ بتخانہ نہ تھا، دولتکدہ تھا بت پرستوں کا   لہو چوسا گیا تھا جانے کتنے فاقہ مستوں کا

بنا رکھا تھا سب نے اپنے ہاتھوں سے خدا اپنا   بمنّت مانگتے تھے اس سے آ کر مدعا اپنا

---

[1] اس ایطا کو موجودہ شعراء نے مستحسن مانا ہے

[2] اقتباس از عہد اسلامی کا ہندوستان (مولانا ریاست علی ندوی)

ہزاروں برہمن دن رات سرگرمِ پرستش تھے
سوا گانے بجانے کے نہ تھے کچھ مشغلے جن کے

برہمن، راجپوت اور رجواڑے ہند کے سارے
سبھی حاضر تھے لیکن کچھ نہ بولے خوف کے مارے

مخاطب ہو کے اُن سے غزنوی نے کی یہ تقریریں
مٹا دوں تو سبھی معبودِ مصنوعی کی تصویریں

معاذاللہ مرے دانست میں ہے سخت نادانی
کہ نامحسوس تصویریں بنیں مسجودِ انسانی

تعجب ہے ہمیں تم جن بتوں کو خود بناتے ہو
اُنہیں کے آگے پھر تم عاجزی سے سر جھکاتے ہو

کبھی اس ملک کو ہم اپنی حالت پر نہ چھوڑیں گے
ہمارا فرض ہے یہ آج ہم اس بُت کو توڑیں گے

یہاں کے لوگ غنی تھے وہ اپنے دلمیں سمجھے تھے
حریص زر ہے سلطاں، زر سے راضی اسکو کرلینگے

لگے کہنے کہ جتنا چاہیں لیں ہم سے نذرانہ
مگر ہرگز نہ توڑی جائے تعمیرِ صنم خانہ

یہ سُنکر کانپ اُٹھا محمود اور کچھ سوچ کر بولا
مرے دامن پہ آجائیگا دھبّہ بُت فروشی کا

اگر کچھ مال و دولت لیکے ہم اس بُت کو بیچیں گے
تو ہمکو بُت فروش احباب تاریخوں میں لکھینگے

جو توڑیں گے تو اپنا نام مشہورِ زمن ہوگا
لقب سارے زمانے میں ہمارا بُت شکن ہوگا

یہ کہکر بتکدے کو توڑنے کا حکم فرمایا
گرمی جب اکطرف دیوار تو بُت خاک پر آیا

کُھلا سب پر یہ مقناطیس کا سارا کرشمہ تھا — کشش پر تھا معلق جسکی بُت بے لاگ لوہے کا
بہت دولت ہوئی حاصل بہت کچھ سیم و زر نکلا — علاوہ سیم و زر کے کتنے الماس و گُہر نکلے

محمود غزنوی کی ہندوستان پر حکومت اور اُسکی رواداری

ہوا جب ملک ہندوستان کا طے مرحلہ سارا — کسی راجہ نے جب اسکی اطاعت میں نہ دم مارا
اُمورِ سلطنت میں فارسی نے کی جو کوتاہی — تو ہندی میں چلایا اُس نے اپنا سکّہ شاہی
یہ مطلب تھا کسی کا حقِ خدمت رائگاں کیوں ہو — عوام الناس کے سر زحمتِ کسبِ زباں کیوں ہو
حکومت کے ہر اک کاموں میں دیجاتی تھی آسانی — برابر اسکی نظروں میں تھے ہندی ہو کہ ایرانی
کہیں پر امتیازِ مذہب و ملّت نہیں رکھا — وزارت میں بھی ہندو فوج کا جنرل بھی ہندو تھا
نگاہِ عدل پرور بے نیازِ کفر و ایماں تھی — وہی خدمت حکومت کی ملی، جو جسکے شایاں تھی
کسی مفتوح سے لڑکر نہ چھینا اقتدار اُس کا — لیا تاوانِ جنگ اور راج رکھا برقرار اُس کا
تجارت اک بڑی توہین تھی شانِ حکومت کی — رعایا کیلئے راہیں کُھلی تھیں ہر تجارت کی

(مولانا ریاست علی ندوی)

بزورِ سلطنت توڑا نہ کس کے زور بازو کو | بزورِ اسلام میں لایا نہ لیکن کوئی ہندو کو

اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا کیا عہدِ عداوت میں | نہ توڑا اس نے اِک بتخانہ بھی اپنی حکومت میں

بہت کچھ مال و زر لوٹا یہاں کے حکمرانوں کا | لیا لیکن نہ اک تنکا رعایا کے مکانوں کا

بہر صورت رہے جاری طلائی نقرئی سکّے | کبھی قحطِ گراں میں بھی چلے کب کاغذی سکّے

نہ یہ بے روزگاری تھی، نہ اتنی فاقہ مستی تھی | وفورِ فارغ البالی سے مہنگی میں بھی سستی تھی

نہ چوری تھی، نہ ڈاکہ تھا، نہ فتنہ بدسگالوں کا | کہیں چوری ہوئی کچلا گیا سر کوتوالوں کا

نہ تھی پھیلی ہوئی ہر سمت رشوت کی دکانداری | نہ تھا اتنا زمانے میں رواجِ مکر و عیّاری

نہ ریلیں تھیں نہ طیّارے، نہ اتنے ڈاکخانے تھے | نہ تھی اتنی عدالت اور نہ اس کثرت سے تھانے تھے

نہ کونسل تھا نہ یہ کونسل میں جمہوری حکومت تھی | نہ اتنے ٹیکس تھے جس سے زبوں پبلک کی حالت تھی

نہ راس آئی فضا اس ملک میں اسکول کالج کی | مرض بڑھتا گیا اتنا دوا ہوتی گئی جتنی

فقط پنجاب ہی پنجاب تھا غزنی کا اک صوبا | رکھا پنجاب سے لے تا بہ غزنی ہر جگہ دستا

نظامِ ملک سے جب غزنوی کو ہو چکی فرصت | ایازِ نیک خو کو کر کے حاکم خود ہوا رخصت

اطاعت کی قبول اس ملک کے فرمانرواؤں نے — سپر رکھدی ہمیشہ کے لئے جنگ آزماؤں نے

پس از قطع مسافت جب وطن میں غزنوی آیا — عزیزان و عمائد سے مخاطب ہو کے فرمایا

کہ ساری زندگی اپنی کٹی کشورستانی میں — فتوحات ممالک اہتمام حکمرانی میں

یہ جتنے خون ناحق کے ہیں چھینٹے میرے دامن پر — جو مٹ جائیں گے دامن سے تو رہ جائینگے گردن پر

وہ دولت جو کسی گھر میں بڑی مشکل سے آتی ہے — وہ جب جانیکو ہوتی ہے تو چپکے چپکے جاتی ہے

وہ دولت ساری دنیا آج ہے جسکی تمنائی — رہی کسکے یہاں اور بعد مردن کس کے کام آئی

نہ جس سے بڑھ سکے کچھ عمر انساں کی وہ دولت کیا — نہ روکے جو اجل کا راستہ بڑھ کر وہ طاقت کیا

یہ اک زہر ہلاہل بھی ہے اور آب بقا بھی ہے — مرض بھی ہے دوا بھی ہے، صنم بھی ہے خدا بھی ہے

اسی نے مصر میں فرعون کا بیڑا ڈبویا تھا — اسی کے دشت پر آشوب میں شداد کھویا تھا

اسی کے فکر میں انساں قضا کو بھول جاتا ہے — اسی کی یاد میں بندہ خدا کو بھول جاتا ہے

اجل آتی ہی جب سر پہ تو کب ٹالے سے ٹلتی ہے — جب ہی تک روشنی ہوتی ہے جبتک شمع جلتی ہے

کہیں ڈھونڈے سے اب شداد کی دولت نہیں ملتی — نجانے کیا ہوئی نمرود کی حشمت نہیں ملتی

کچھ ایسی کھو گئی ساسانیوں کی بزم شاہانہ
کہ ہونٹھوں پر کسی کے اب نہیں کچھ اُن کا افسانہ

درفش کاویانی ہے نہ اب تاجِ کیانی ہے
شکوہِ قیصر و فغفور کیا ہے اک کہانی ہے

ہمیں تو فکر اس کی ہے کہ اپنا حشر کیا ہوگا
کہاں جائیگی یہ دولت جب اپنا خاتمہ ہوگا

جوانی جب ہوئی رخصت تو پھر کیا زندگانی ہے
بشر کے واسطے جو کچھ ہے دنیا میں جوانی ہے

نہ اب وہ جوش ہے دلمیں نہ اب وہ ولولہ باقی
اُداسی کے سوا دل میں نہیں کچھ حوصلہ باقی

بڑی مشکل سے انساں کو حکومت ہاتھ آتی ہے
بڑی جانکاہیوں کے بعد دولت ہاتھ آتی ہے

تم اپنے ہاتھ میں ساری حکومت کی عناں لے لو
تمہارے سب خزانے ہیں تم اُنکی کنجیاں لے لو

روا رکھتا ہے جو سلطاں رعایا کی دل آزاری
تو اُٹھ جاتا ہے اسکے سر سے ظلِّ رحمتِ باری

رعایا کا تحفظ، بادشاہوں کی عبادت ہے
اسی خدمت پہ سارا انحصار بادشاہت ہے

نہ ہو جسکو خیال اپنے رعایا کی تباہی کا
تو پھر سلطاں کو کیا حق ہے خراجِ بادشاہی کا

غریبوں کی مدد سے جی چُراتا ہے جو اہلِ زر
تو پھر ہوتی نہیں کچھ بارشِ فضلِ خدا اُس پر

خدا زر دے تو ذوقِ بذلِ احساں اسکے شامل دے
اگر دل دے تو دل کے ساتھ سوزِ مشتعل دل دے

محمود غزنوی کا ۱۰۳۰ء میں انتقال کرنا اور اپنے وطن غزنی میں ہمیشہ کیلئے پیوندِ خاک ہونا

یہ لکچر دے کے آیا غزنوی اپنے شبستاں میں
اٹھا اک درد ایسا خود بخود قلبِ پریشاں میں

بڑھا اتنا کہ نوبت آ گئی یٰسین خوانی کی
ہوئیں دو ہچکیوں میں منزلیں طے زندگانی کی

وہ سلطاں جس کے قبضے میں تھا ہندستان سے تا ایراں
وہ سلطاں جس کے ڈر سے کانپتا تھا جنگ کا میداں

وہ سلطاں جس نے توڑے بتکدے ہندوستاں بھر کے
نہاں صدیوں سے تھے انبار جنمیں لعل و گوہر کے

وہ سلطاں جس نے بنیادیں ہلا دیں ہر حکومت کی
بہا دی ہر گلی کوچے میں گنگا جس نے دولت کی

وہ[1] سلطاں جس نے سونا دخترِ طوسی کو بھجوایا
ہزاروں سال کے مُردوں کو زندہ کر کے دکھلایا

ہوا روپوش خورشیدِ حکومت برج خاکی میں
بنا اس کا مزارِ پاک مسند گاہ غزنی میں

سنِ ترحیل از روئے جمل ہاتف پکار اٹھا
پیامِ مرگ محمود سبکتگین وا ویلا

۳۰ ۱۰ ۶

[1] محمود غزنوی نے فردوسی طوسی کی لڑکی کے پاس انعام کی اشرفیاں روانہ کی تھیں۔

مچی ایراں سے تا ہندوستاں ہر سو صفِ ماتم — وفورِ دردِ فرقت سے گرا ہر دل پہ کوہِ غم

بپا ہر سمت اک کہرام تھا ایوانِ شاہی میں — سفینہ مُلک کا بہنے لگا بحرِ تباہی میں

اراکین و عمائد فرطِ غم سے ہاتھ ملتے تھے — جگر مجروحِ پیکانِ اَلم تھا اشک ڈھلتے تھے

عزیزان و اقارب کی نگاہوں میں اندھیرا تھا — خوش اقبالی نے منہ موڑا، بد اقبالی نے گھیرا تھا

یہ دنیا ہے، پریشاں اسمیں ہر شیرازہ ہوتا ہے — یہاں ہر سانس پر اک انقلاب تازہ ہوتا ہے

یہاں ہر عیش پر پابندیٔ آلام ہوتی ہے — یہاں ہر صبح رونق کی بھیانک شام ہوتی ہے

یہاں ہر خندۂ عشرت پہ ہے اِک گریۂ غم بھی — یہاں جب عید ہوتی ہے تو ہوتا ہے محرم بھی

کبھی ظلمت کدہ معمورۂ تنویر ہوتا ہے — مرقع زندگی کا دو رُخی تصویر ہوتا ہے

اسی پر انحصارِ رونقِ صحنِ گلستاں ہے — کبھی فصلِ خزاں ہے اور کبھی فصلِ بہاراں ہے

جو میٹھی نیند شب بھر لیتے رہتے تھے چھپر کھٹ میں — انہیں کی خاک اُڑتے دیکھتے ہیں دنکو مرگھٹ میں

جہاں بجتے تھے نقّارے جہاں بجتی تھی شہنائی — وہاں سے جب صدا آئی تو رونے کی صدا آئی

جہاں تھا دور میں ساغر شرابِ ارغوانی کا — وہاں فاقے میں ہے دن رات ماتم زندگانی کا

کبھی برقی کنول رہتے تھے روشن جنکی محفل میں ۔ پڑے ہیں اب وہ اپنا منھ لپیٹے پہلی منزل میں

نہ ہوتا تھا غروب مہر و مہ جن کی حکومت میں ۔ وہ اب سوئے ہوئے ہیں گوشۂ تاریک تربت میں

مرقع ہے یہ دُنیائے دنی ارمان و حسرت کا ۔ سبق دیتا ہے ذرّہ ذرّہ ہر سُو درس عبرت کا

مرتب کیگئی غزنی میں اکدن مجلسِ اعیاں ۔ کہ ہوگا غزنوی کے بعد کون اس ملک کا سلطاں

ارکین و عمائد مختلف اس مسئلے میں تھے ۔ عزیزوں میں سبھی خواہاں تھے اس پاکیزہ منصب کے

عزیزان و اقارب میں ہوا کچھ اختلاف ایسا ۔ کہ عرصے تک نہ آخر ہو سکا کچھ فیصلہ اس کا

شہنشاہی کو شہزادے نجانے کیا سمجھتے تھے ۔ سبھی تھے اپنی اپنی دُھن میں حق اپنا سمجھتے تھے

محمد[1] کے اِدھر دل میں تمنّائے حکومت تھی ۔ اُدھر مسعود کے سر میں ہوائے ملک و دولت تھی

بہت ایسے تھے جو مسعود کی بھی تھے حمایت میں ۔ پڑا وہ اختلافِ باہمی ساری حکومت میں

کہ دونوں شاہزادوں نے بالآخر جنگ کی ٹھانی ۔ پڑی ساری حکومت میں بنائے فتنہ سامانی

اس اثنا میں کئی فرمانروائے ملک نے لکھّا ۔ ارکین حکومت کا بھی آخر فیصلہ ٹھہرا

اسی میں مصلحت دیکھی اسی میں مصلحت جانی ۔ محمد[2] کے سرِ اقدس پہ رکھّا تاج سلطانی

[1] محمد اور مسعود، محمود غزنوی کے دو شہزادے۔ (از تواریخ فرشتہ) [2] محمد کے سر پہ تاج حکومت رکھا گیا (از عہد اسلامی کا...

نہ جسمیں کوئی دنگا ہے نہ جسمیں کوئی جھگڑا ہے　　کہیں وہ جھونپڑا قصرِ شہنشاہی سے اچھا ہے

جو ٹکڑا بے خلش ہاتھ آئے اپنی کسب و محنت سے　　مبارک ہے کہیں وہ ساری دنیا کی حکومت سے

خوشی سے جس نے اپنے سوکھے ٹکڑوں پہ قناعت کی　　فقیری کی صعوبت میں بھی اس نے بادشاہت کی

محمد کی حکومت کا ادھر سکہ ہوا جاری　　ادھر مسعود نے کی جنگ کی در پردہ تیاری

ادھر مسعود کے شامل ہوا کچھ فوج کا دستہ　　بصد جوشِ عقیدت کچھ محمد سے تھا وابستہ

ہوئی دونوں طرف آخر سرِ میداں صف آرائی　　کچھ ایسا جن چڑھا سر پر کہ نوبت جنگ کی آئی

بڑھا آپس کی خانہ جنگیوں کا سلسلہ اتنا　　کہ ہندو فوج کا جنرل سوندر رائے[1] کام آیا

سرِ میداں محمد آیا خود فوجِ گراں لے کر　　تصادم جب ہوا تو اس کا پسپا ہو گیا لشکر

محمد سے پھرایا رخ جو اسکے جاں نثاروں نے　　مقید کر لیا مسعود کے جنگی سواروں نے

بلخ کا قید خانہ تھا جو برسوں اسکی قسمت میں　　محمد آ گیا مسعود کی فوجی حراست میں

ہوا مسعود کے قبضے میں تخت و تاج سلطانی　　تو پہلے سب سے اس نے صوبۂ پنجاب کی ٹھانی

بڑی سرعت سے لیکر فوج ہندستان آ پہونچا　　لیا ہانسی کیا پھر سونی پت کے قلعہ پر قبضہ

[1] ہندو فوج کا جنرل

ہوئی اُن راجگانِ ہند کی سرعت سے سرکوبی ‏ ‏ کہ جن کے دل میں خود مختار ہونیکی تمنّا تھی

پھر اس کے بعد تھا مجدود جو اس کا بڑا بیٹا ‏ ‏ کیا اسکو گورنر صوبۂ پنجاب و کابل کا

ایازِ نیک خو کو رکھ دیا بہرِ اتالیقی ‏ ‏ روانہ ہو گیا پنجاب سے پھر جانبِ غزنی

اس اثنا میں یہاں سلجوقیوں نے سر اُٹھایا تھا ‏ ‏ علاقہ غزنی و ایران کا خطرے میں آیا تھا

بڑی تشویش تھی مسعود کو ہر دم تھا چوکنّا ‏ ‏ کہ اس بہتے ہوئے سیلاب کا رُخ سوئے غزنی تھا

سمجھتا تھا کہ یہ فتنہ اگر روکا نہ جائے گا ‏ ‏ تو موقع پا کے ہر دم اک نیا طوفاں اُٹھائیگا

بڑی جیداریوں کے ساتھ اُس نے جنگ کی ٹھانی ‏ ‏ غرض سلجوقیوں کے حوصلوں پر پھر گیا پانی

مگر پھرنے لگیں آنکھوں میں مستقبل کی تصویریں ‏ ‏ بجز اس کے تحفظ کی نہ سوجھیں اور تدبیریں

کہ غزنی کے عوض پنجاب میں دار الحکومت ہو ‏ ‏ بہ عجلت تین سو اونٹوں پہ نقلِ مال و دولت ہو

زر و لعل و جواہر مال خانے میں جو مخفی تھے ‏ ‏ روانہ کر دیا ان کو بقصد تعجیل غزنی سے

جو دستہ راہ میں شاہی خزانہ لیکے جاتا تھا ‏ ‏ خزانہ ہند کا ہندوستاں پھر واپس آنا تھا

اُسے کچھ ترک کچھ ہندو سپاہی نے وہاں لُوٹا ‏ ‏ مقید کر لیا مسعود کو چھوڑا نہ اک پیسا

بصد عجلت محمدؐ کو بلخ کے جیل سے لایا وہ نابینا تھا لیکن تاج اُس کے فرق پر رکھا
اسی پر بس نہیں مسعود کو پھر قتل کر ڈالا ہوا جب اس طرح سے خاتمہ اسکی حکومت کا
پڑا کچھ اختلاف ایسا اراکین حکومت میں کہ جس سے ہو گیا پیدا زوال اقبال و دولت میں
جو تھا مسعود کا مودود نامی دوسرا بیٹا ہوا سُلطان غزنی خاتمہ کر کے محمد کا
کیا لاہور و لنگر کوٹ، تھانیسر کا پھر دورا سوئے غزنی گیا سلجوقیوں کا روکنے رستہ
اُدھر مودود اور سلجوقیوں میں تھی صف آرائی کہ جس کے خوف سے تھی مردنی ہر شخص پر چھائی
ادہر مجدود کو موقع ملا تو دور کی سوجھی رئیسوں کی مدد سے قائم اک اپنی حکومت کی
ملی کچھ دن کے بعد اک خیمے میں مجدود کی میّت ایاز نیک خُواس کا معاون بھی ہوا رخصت
غنیمت جانا اس موقع کو سارے راجپوتوں نے کیا اپنے کو خود مختار بھارت کے سپوتوں نے
ارادہ تھا کریں مل جل کے سب لاہور پر حملہ رئیسوں نے مگر لڑ بھڑ کے دکھلایا اُنہیں نیچا
نو بانسی[1] اور لنگر کوٹ اور مُلتان و تھانیسر ہوئے غزنی حکومت کی اطاعت سے سبھی باہر
ادھر مسعود ثانی چار سالہ طفل ناداں کو بٹھا کر تخت غزنی پر کیا خوش بزم اعیاں کو

[1] ہندوستانی ریاستوں کے مشہور قلعے ۔

پسر مودود کا پھر تخت پر عبدالرشید آیا
اراکین و عمائد نے کیا جب انتخاب اُس کا

پھر اِس کے بعد فرخ زاد نے کچھ دن حکومت کی
پھر ابراہیم کے قبضے میں آئی مسندِ غزنی

پھر آیا ارسلاں کے ہاتھ میں اورنگ سلطانی
نہ روکے سے رُکا سلجوقیوں کا سیلِ طوفانی

کیا قتل اُسکو سنجر شاہ سلجوقی نے میداں میں
تو پھیلی سنسنی سی غزنی و پنجاب و ایراں میں

دیا بہرام کو سلجوقیوں نے تخت سلطانی
مگر منڈلا رہی تھی سر پہ قسمت کی پریشانی

ہوا بہرام گھبرا کر روانہ سُوئے ہندوستاں
یہاں سے پھر سدھارا بہر سیر گلشنِ رضواں

پھر اِس کے بعد خسرو شاہ بیٹھا تخت غزنی پر
ٹھہرنا غوریوں کے خوف سے لیکن ہوا دوبھر

بالآخر آ گیا لاہور یہ بے ساز و بے ساماں
حکومت اسکے ہاتھوں میں رہی کچھ روز تک مہماں

بغاوت تھی کہ ہر گوشے سے پیدا ہوتی جاتی تھی
حکومت تھی کہ رفتہ رفتہ مُردہ ہوتی جاتی تھی

کہاں سے کس طرف رُخ پھر گیا اقبال و دولت کا
ہوا یوں رفتہ رفتہ خاتمہ غزنی حکومت کا

فقط دو دن کی ہی مہمان گلشن کی نوا سنجی
بساطِ سلطنت تھی اور یہ شاہانِ شطرنجی

اِدھر سلجوقیوں کے ہمہمہ سے تھا جگر پانی
اُدھر کی غوریوں نے از سرِ نو آتش افشانی

علاؤ الدین، امیر غور نے خوں ریز اک حملہ
کیا غزنی پہ، اور غزنی کے سارے شہر کو پھونکا
شہاب الدین غوری جو حکومت کا گورنر تھا
لیا غزنی کا تخت و تاج خود سلطان بن بیٹھا
اسی پر بس نہیں لاہور پر پھر کر لیا قبضہ
مقیّد ہو گیا زنداں میں خسرو شاہ کا کُنبہ

حضرت سیّد سالار مسعود غازی کا ہندوستان آنا اور بہرائچ میں شہید ہونا

حسن میمندی[1] بد خو نے کچھ اتنی عداوت کی
کہ نکلے سیّد سالار غازی چھوڑ کر غزنی
فقط سولہ[16] بہاریں ہو چکی تھیں زندگانی کی
اُمنگیں کھیلتی تھیں جذبۂ جوشِ جوانی کی
جہادِ فی سبیل اللہ کا رگ رگ میں لہو تازہ
نہ جب دیکھا گیا بکھرا ہو غزنی کا شیرازہ
اِدھر ہندوستاں میں ہندوؤں نے پاؤں پھیلائے
کہ مُسلم قوم کا ہندوستاں سے نام مٹ جائے
جہاں پاتے تھے موقع قتل کرتے تھے مٹاتے تھے
بڑی بیدردیوں سے لوٹتے تھے گھر جلاتے تھے
بھڑک اُٹھا تھا سارے ملک میں شعلہ بغاوت کا
فقط تھا نام کو خسرو ملک کے نام کا سکّہ

[1] سلطان غزنی کا وزیر

یہ سُن کر سیّد سالار غازی آئے ہندوستاں | لئے دل میں جہادِ فی سبیل اللہ کا ارماں

اجھودھن[1] دہلی و ملتان میرٹھ بالگرام آئے | پکارا جس مسلماں نے جہاں[3] اس کے کام آئے

غرض جو سامنا کرتا تھا اُس سے لڑتے جاتے تھے | سروں کی بارشیں تھیں ہر طرف رن پڑتے جاتے تھے

بدایونِ اوچھ اور گنوڑ[2] کی ساری مہم سر کی | دکھادی ساری دنیا کو روانی آبِ خنجر کی

بالآخر راجگانِ ہند مل کر آئے میداں میں | رہی باقی جگہ تل بھر نہ بہرآپچ[3] کے داماں میں

اِدھر سالارِ غازی تھا سرِ میداں تنِ تنہا | فقط ہونٹھوں پہ جاری نعرۂ اَللہُ اکبر تھا

بڑھے ہندوستاں کے سورما لے لے کے تلواریں | ہلا دیتی تھیں دل رہ رہ کے تلواروں کی جھنکاریں

مگر سالار غازی نے کیا جس فوج پر حملہ | ہوا دو چار ہی حملوں میں اک انبار لاشوں کا

یہاں کے سورما سارے شکستیں کھاتے جاتے تھے | نہاتے تھے وہ اپنے خون میں جو زد پہ آتے تھے

ہزاروں کو کیا فی النّار شمشیرِ دو پیکر نے | لیا راہِ فرار آخر کو جانبازانِ لشکر نے

اِدھر سالارِ غازی کے بھی ہمراہی ہوئے رخصت | سدھارے کھا کے زخم تیر و پیکاں جانبِ جنت

لگے کہنے لگا کر لاش ہر ساتھی کی سینے سے | ہمارا آج کا مرنا کہیں بہتر ہے جینے سے

[1] مقام کا نام [2] نام مقامات [3] جہاں سالار غازی کا مزار ہے۔

مسلسل تین دن سے جنگ ہوتی ہی سرِ میداں — مجھے بھی آرہا ہے غش فقط دم بھر کا ہوں مہماں
غش آیا گر پڑے گھوڑے سی چھوٹا ہاتھ سے خنجر — کسی نے تیغ ماری گر پڑا سر خاک پر کٹ کر
ازل سے ہی یہ قانونِ مسلّم کوئے قاتل کا — کہ ہر شام و سحر چھڑکاؤ ہوگا خونِ بسمل کا

ہتھیلی پر لئے ہیں سر نجانے کتنے دیوانے
نصیبوں سے کہیں مقبول ہو جاتے ہیں نذرانے

ہندوستان میں غوری حکومت۔ پرتھی راج والی اجمیر کا شہاب الدین غوری سے لنگر کوٹ اور تھانیسر کے میداں میں جنگ کرنا۔ سُلطاں کا زخمی ہونا اور شکست کھانا

اٹھا اس ملک سے جب غزنوی اقبال کا سایا — تو ہر گوشے میں ہندوستان کے اِک انقلاب آیا
نہ سکہ تھا نہ قانونِ عدالت عدل گستر تھا — جو راجہ تھا یہاں آزاد و خود مختار خود سر تھا
کچھ اتنی بڑھ گئی تھی ملک میں فرعون سامانی — وبالِ جاں ہوئی تھی مال و دولت کی فراوانی

جنہیں بے کسبِ محنت لوٹنے کھانے کی عادت تھی
انہیں غارتگروں کے ہاتھ میں ملکی حکومت تھی

ضرورت کی جو چیزیں تھیں وہ بازاروں میں سستی تھیں
غریبوں کی نگاہیں دیکھکر لیکن ترستی تھیں

یہ دن کو لوٹتے تھے رات کو گاتے بجاتے تھے
پڑوسی لڑکیوں کو اپنی محفل میں نچاتے تھے

عدالت میں نہ تھیں کچھ قتل و خونخواروں کی تعزیریں
نظر آتی تھیں عریاں معصیت کاری کی تصویریں

بہائم شیوگی تھی، جذبۂ باطل پرستی تھا
جو تھا لامذہبی کی تہہ میں وقفِ جوش و مستی تھا

ادھر قنوج میں جے چند کا پرچم درخشاں تھا
ادھر اجمیر پرتھی راج کی دولت پہ نازاں تھا

یہی دو طاقتیں تھیں ملک میں مدِّمقابل کی
انہیں سے پل رہی تھیں آرزوئیں سینکڑوں دل کی

مگر بدقسمتی سے دونوں آپس میں مکدر تھے
شرارے بغض و خونخواری کے دونوں دل کے اندر تھے

ہوا پنجاب پر قبضہ جو غوری شہسواروں کا
لگا ماتھا ٹھنکنے ڈر سے ہندی تاجداروں کا

یکایک کر لیا بھٹنڈہ[1] پہ غوری فوج نے قبضہ
بغیر از جنگ ہاتھ آیا ذخیرہ مال و دولت کا

بڑی جانبازیوں کیساتھ غوری بڑھتے جاتے تھے
کماندارانِ ہندوستاں کے منہ پر چڑھتے جاتے تھے

جو پرتھی راج نے اس چھیڑ خانی کی خبر پائی
تو لنگر کوٹ کے میداں میں کی اس نے صف آرائی

[1] مقام کا نام

سنان و تیغ کا امنڈا تھا اک طوفان لشکر میں ہوئی ساری خدائی مجتمع میدان محشر میں

سوار اک سمت گھوڑوں کو لئے ہاتھوں میں تلواریں کھڑی گویا ہوئیں میدان میں لوہے کی دیواریں

کماندار اک طرف تانے ہوئے ناوک کمانوں میں پروں کو تولتے ہیں جیسے طائر آشیانوں میں

کہیں نیزے پہ نیزے ہیں کہیں بھالے پہ بھالے ہیں کہیں ناوک فگن تیر اپنے ترکش سے نکالے ہیں

دھمک سے ہاتھیوں کی اک طرف تھا زلزلہ پیدا کہیں پیدل ہتھیلی پر لئے سر تان کر نیزہ

کہیں تن تن کے بل کھانا، اکڑنا پہلوانوں کا کہیں آپس میں ٹکرانا سنانوں سے سنانوں کا

کہیں جے ہند کے نعروں سے اک سامانِ محشر تھا جو تھا مرنے پہ آمادہ ہتھیلی پر لئے سر تھا

قرینے سے منظم ہو گئیں فوجیں سرِ میداں تو پرتھی راج نے فوجوں کو للکارا بایں عنواں

تمہارے ملک پر کیا آج اڑا وقت آیا ہے مٹے جب غزنوی تو غوریوں نے سر اٹھایا ہے

رگوں میں ہے اگر کچھ بھیم و ارجن کا لہو رقصاں دکھا دو معرکے میں جوہرِ شمشیر ہندوستاں

کچھ ایسا غوریوں کے حوصلوں پر پھیر دو پانی مسلماں کوئی رہ جائے، نہ رہ جائے مسلمانی

مرے شیروں کے پنجوں سے کہاں وہ بچکے جاتے ہیں جو مٹھی بھر مسلماں بر ہمالہ سے لڑانے ہیں

اُدھر کیا ہے فقط لے دیکے قسمت آزمائی ہے
اِدھر سارا زمانہ ہے اِدھر ساری خدائی ہے

سرِ رن یُوں پاؤں رکھ کر اس طرح بھاگیں یہ بداختر
کہ پھر ہندوستاں کا نام بھی آئے نہ ہونٹھوں پر

سرِ میداں غرورِ زورِ بازو اِس طرح ٹوٹیں
کہ غوری فتنہ پردازوں کے چھکّے جنگ میں چھوٹیں

کماں مٹّھی سے چھوٹے ہاتھ سے تلوار گر جائے
مہابھارت کا نقشا سامنے آنکھوں کے پھر جائے

پلچھ ہیں انکی جنگیں کتنی وحشت ناک ہوتی ہیں
مرے ویرو! فضائیں ملک کی ناپاک ہوتی ہیں

ہوا اتنے میں غوری فوج کا اک سمت سے ریلا
لگی تلوار چلنے ہر سپاہی جان پر کھیلا

چلے بھالے چلے خنجر، صفیں گرنے لگیں صف پر
کمانوں کی کڑک سے ہر قدم پر اک نیا محشر

لہو کی ندیوں میں کشتیاں ڈوبیں تن و جاں کی
گھٹا ڈھالوں کی اُس پہ بجلیاں شمشیرِ بُرّاں کی

اُبلنا ہر رگِ گردن سے خونیں آبشاروں کا
تڑپنا لوٹنا ایڑی رگڑنا شہسواروں کا

لگے سیلابِ خوں میں تیرنے کٹ کٹ کے سر کتنے
اڑے تیروں کے پَر سے نوکِ پیکاں پر جگر کتنے

بالآخر بڑھکے پرتھی راج کا جانباز اک دستہ
وہاں پہونچا جہاں گھوڑے پہ شاہنشاہ غوری تھا

ہوا نرغا کچھ ایسا جس سے زخمی ہو گیا سلطاں
یکایک فوج غوری کے قدم اُکھڑے سرِ میداں

غلام اک اڑ کے پیچھے سے چڑھا غوری کے گھوڑے پر
نکل بھاگا بڑی پھرتی سے جو سلطان کو لے کر

گیا کاندھے پہ لیکر بیس فرسخ تک نہ بے ہمت
وہاں سے بچ بچا کر لیگیا غزنی بصد عجلت

بجا نقارہ فتح و ظفر راجا کے لشکر میں
ہوئی اس فتح و نصرت کی خوشی ہندوستاں بھر میں

ہوا اچھا بڑی مشکل سے زخم نیزہ و خنجر
خفا اتنا ہوا سلطان غوری اپنے جنرل پر

کہ ہار اسکے گلے میں ڈال کر جوتوں کا ذلت سے
پھرایا شہر میں لنگڑے گدھے پر سخت نفرت سے

مگر سلطان غوری کو فقط تشویش اسکی تھی
کہ پرتھی راج سے بدلے کی صورت کونسی ہوگی

اسی فکر تردد میں نہ کھاتا تھا نہ سوتا تھا
بسر ہر لمحہ اسکا سخت بے چینی سے ہوتا تھا

نہ ہمت تھی دوبارہ جنگ کا طوفاں اُٹھانیکی
نہ طاقت تھی مسافت کر کے طے اجمیر جانیکی

اس اثنا میں پیامی والیٔ قنوج کا پہونچا
دیا وہ خط کہ جسمیں اس نے یہ مضمون لکھا تھا

کسی کا دسترس کیا ہے خدائی کارخانے میں
شکست و فتح ہوتی ہے مقدر سے زمانے میں

بہت نازاں ہی پرتھی راج اپنے زور بازو پر
غرور سلطنت نے اسکو آپے سے کیا باہر

مجھے اسکی تنک ظرفی سے نفرت ہوتی جاتی ہے
بہت ناگفتنی اسکی حماقت ہوتی جاتی ہے

یہ بہتر ہے دوبارہ اُس پہ اِک حملہ کیا جائے
مزاج گرم اُس کا جنگ میں ٹھنڈا کیا جائے

خدا کے فضل سے کس چیز میں میں اس سے قاصر ہوں
ٹھنے تو جنگ ہر ممکن مدد کرنے کو حاضر ہوں

راجہ جے چند والیٔ قنوج کی راج کماری سنجگتا کے سوئمبر میں پرتھی راج کا خلاف مرضیٔ راجہ جے چند کامیاب ہونا اور دونوں ریاستوں میں آتشِ عداوت کا بھڑکنا

ہوئی ذی ہوش کچھ جب دختر جے چند سنجگتا
لگا سامان ہونے دھوم سے اُسکے سوئمبر کا

بدستورِ سلف دی راجگانِ ہند کو دعوت
سبھی خوش ہو کے آئے آزمانے کیلئے قسمت

ہر اک کے منہ پہ شادی کا مکٹ بھی عنبر افشاں تھا
ہر اک کی پُشت پر اک بھاٹ بھی اُن کا ثنا خواں تھا

خبر لیکن نہ پرتھی راج کو تھی اس سوئمبر کی
کھڑی کر دی تھی سب کے بعد رسماً اسکی مورت بھی

لئے ہاتھوں میں جے مالا سبھی کو دیکھتی سُنتی
سبھی کے آگے سنجگتا گئی نفرت سے سر دھنتی

وہاں پھر آئی پرتھی راج کی مورت جہاں پہ تھی
محبت سے گلے میں ڈالکے جے مالا چلی آئی

محل میں جا کے پرتھی راج کو یہ اس نے لکھ بھیجا
کہ میں تو ہو چکی ہوں آپ کی اب مجھ پہ ہو کرپا

جو پرتھی راج سنجگتا کو لے کر قلعہ میں آیا
تو پھر جے چند کا کچھ اور بھی غصہ بھڑک اٹھا

بہ عجلت اس نے شاہنشاہ غوری کو لکھا نامہ
کہ جس میں دعوت اجمیر کا مضموں سراپا تھا

ادھر اجمیر میں خواجہ کی آمد سے تھی اک ہلچل
فضا میں منتشر ہونے لگا اسلام کا بادل

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اپنے پیر مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے حکم سے ہندوستان تشریف لائے

جدھر یہ نیر اسلام تاباں ہوتا جاتا تھا
زمین ہند کا ذرہ درخشاں ہوتا جاتا تھا

ہزاروں خواجہ ہند الولی کے فیض صحبت سے
مسلماں ہو کے نکلے کفر و گمراہی کی ظلمت سے

تو پرتھی راج نے خواجہ کو بھیجا یہ پیام اپنا
اسی ہفتے میں اب تم چھوڑ دو اجمیر کا خطا

زبان پاک خواجہ سے یہ پھر بیساختہ نکلا
قیامت تک فقیر اب اس زمیں سے ٹل نہیں سکتا

نہ جانے دور گردوں کونسا پہلو بدلتا ہے
نکلتے ہیں اسی ہفتے میں ہم یا تو نکلتا ہے

اُسی شب خواب میں سُلطان غوری کو نظر آیا
کسی نے از سرِ نو تاج شاہی آ کے پہنایا

کہا سب نے کہ تعبیر اسکی روشن ہے درخشاں ہے
پسِ پردہ یہ فتح ملک ہندوستاں کا ساماں ہے

یہ سننا تھا کہ لیکر ایک لاکھ افواج طوفانی
بڑے خونریز منصوبوں کیساتھ اجمیر کی ٹھانی

خبر اس بات کی کچھ تھی سپاہی کو نہ جنرل کو
پتا اس راز کا تھا کچھ سواروں کو نہ پیدل کو

کہاں جاتے ہیں، کس سے جنگ ہے، کس سے تصادم ہے
قدم بڑھتے ہیں لیکن کارواں کا کارواں گم ہے

گھٹا پنجاب و غزنی سے اٹھی، اجمیر پہ چھائی
سرک کر خود بخود یا منزلِ دُور و دراز آئی

گھرا اجمیر جانبازانِ اسلامی کے حلقے میں
پھنسا راجہ کا کُنبہ دامِ ناکامی کے حلقے میں

درونِ قلعہ پرتھی راج نے جب یہ خبر پائی
تو بَل ابرو پہ آئے اور ہونٹھوں پہ ہنسی آئی

کہا ہنسکر کہ پھر کیا غوریوں کی شامت آئی ہے
یہ خود تو آ نہیں سکتے تھے شاید موت لائی ہے

کہاں ہیں میرے فوجی سورما تیّار ہو جائیں
شہاب الدین غوری کا ابھی سر کاٹ کر لائیں

ہوئے کَے دن کہ لنگر کوٹ کے میداں سے بھاگا ہے
ابھی تک جی رہا ہے اور جینے کی تمنّا ہے

سرِ میداں لڑے جا کر کچھ ایسا جنگجو دستہ
مُسلمانوں کو اُنکی بھاگنے کا جو نہ دے رستہ

کچھ ایسی اُن کی ہمت توڑ دو اتنا کچل ڈالو
مٹا دو غوریوں کو جنگ کا نقشا بدل ڈالو

تمہیں ان دشمنوں کو خاک کا پیوند کرنا ہے
ہمیشہ کے لئے طوفاں کا رستہ بند کرنا ہے

یہ سن کر تلملا اٹھا رسالہ راجپوتوں کا
لہو گرما گیا غیرت سے بھارت کے سپوتوں کا

ادھر مصروف تھے مسلم نمازِ صبح گاہی میں
لگے کہنے اٹھا کر ہاتھ درگاہِ الٰہی میں

کہ یارب تو جو اپنا ہے، تو ہے سارا جہاں اپنا
عراق و مصر و ایران و عرب ہندوستاں اپنا

ہمیں کب معرکے میں حسرتِ کشور کشائی ہے
تری توحید کی عظمت دوبارہ کھینچ لائی ہے

اسی اثنا میں بڑھتی راج کی فوجیں سرِ میداں
لگیں بڑھنے لئے ہاتھوں میں تیغ و نیزہ و پیکاں

دو طرفہ بجلیاں گرنے لگیں شمشیرِ براں کی
ڈو رویا آندھیاں اٹھیں خدنگ و تیر و پیکاں کی

ادھر جے ہند کا نعرہ اُدھر تکبیر ہوتی تھی
جو صف گرتی تھی موجِ خوں کی اک تصویر ہوتی تھی

کہیں لتھڑا لہو سے عارض و گردن کا نظارہ
کہیں کچلی ہوئی لاشوں سے تھا خرمن کا نظارہ

کہیں تو غور و غزنی کے جواں ایڑی رگڑتے تھے
کہیں ہندوستاں کے پہلواں ایڑی رگڑتے تھے

کہیں ہر زخمِ تن سے خون کی ندی اُبلتی تھی
کہیں نیزہ لچکتا تھا، کہیں تلوار چلتی تھی

کہیں دُہری صفوں کو صاف کر دیتی تھیں تلواریں
گریں برسات میں جس طرح دیوار و پخ دیواریں

کہیں گردن کہیں بازو کہیں زرہیں کہیں مغفر
کہیں ترکش کہیں چلّے کہیں نیزے کہیں خنجر

وفورِ زخم سے پھنستی ہوئی گردن میں آوازیں
رگِ ہر جسم سے سہمی ہوئی رُوحوں کی پروازیں

کچھ ایسے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اپنے قالب و جاں سے
اُکھڑنے ہی کو تھے اجمیریوں کے پانوں میداں سے

کہ پرتھی راج خود کچھ سورما کیساتھ آپہونچا
بڑی جیداریوں کیساتھ سرگرمِ ستیزہ تھا

مگر کب غوریوں کے سامنے کچھ چل سکی اسکی
بالآخر گھر گیا نرغے میں پرتھی راج کا ہاتھی

مقیّد ہو گیا جب ہو کے پرتھی راج بیچارہ
بجایا غوریوں نے فتح کا خوش ہو کے نقارہ

حضورِ شاہ غوری سب نے پرتھی راج کو لایا
وہ جب آیا تو حکمِ قتل صادر اُس نے فرمایا

ارالین و عمائد نے جُھکائے سر اطاعت میں
علاقے کا علاقہ آگیا غوری حکومت میں

تو پھر سُلطاں نے پرتھی راج کے بیٹے کو بلوا کر
بٹھایا دہلی و اجمیر کے تختِ حکومت پر

وہاں سے صوبۂ گجرات کا جب قصد فرمایا
بگھیلا[1] اک طرف سے اک طرف سے مولچند[2] آیا

تصادم ہوتے ہی دونوں نے میداں میں سپر کھدی
ہوئی اس جنگ میں بھی فتح شاہنشاہ غوری کی

---

[1] بھیم گھیلا ادھر راجہ مولچند، والیان ریاست گجرات

دہات و شہر میں چلنے لگا سکہ حکومت کا ۔ ہوا سلطان کا لاہور سے بنگال تک قبضہ

بنارس، بمبئی، گجرات، لنگر کوٹ، تھانیسر ۔ اودھ پریاگ دہلی کا شہر اجمیر کالنجر

بہار و مالوہ بنگال، بانسی، سونی پت بھنڈا ۔ پٹن، قنوج، میرٹھ، مرہٹا، استھان گولکنڈہ

سبھی جب آگئے غوری حکومت کی اطاعت میں ۔ کئے نذرانے سب نے پیش دامان عقیدت میں

تو قطب الدین ایبک کو بنا کر جانشیں اپنا ۔ بصد عجلت کیا ہندوستاں سے قصد غزنی کا

دریائے جھیلم کے کنارے موضع دھمک میں خیمے کا نصب ہونا اور سلطان شہاب الدین غوری کا نماز عشا پڑھتے ہوئے شہید ہونا

ہوئے طے راہ میں کوہ و بیاباں جتنے پڑتے تھے ۔ ہو خیمے شام کو گڑتے تھے وقت صبح اکھڑتے تھے

بالآخر چل کے وہ بھی منزل وحشت فزا آئی ۔ وہاں پہونچے جہاں سلطان غوری کی قضا آئی

لب جھیلم تھا دھمک نام کا اک گاؤں چھوٹا سا ۔ وہیں سلطان غوری رات بھر کے واسطے ٹھہرا

اکھڑنے ہی کو تھے خیمے کہ شب کیوقت شور اٹھا ۔ کسی نے آکے چوکیدار کے سر پہ چھرا مارا

اُدھر دوڑے بہ عجلت تھے سپاہی جتنے ہمراہی — ادھر کچھ دیر تک سنسان سا تھا خیمۂ شاہی

وضو کے بعد شہ نے نیّتِ فرضِ عشا کی تھی — کہ اِک دشمن جماعت نے کیا سرتا بہ پا زخمی

سدھارا شاہ غوری بہرِ سیرِ گلشنِ جنت — ملا اب تک نہ قاتل کا پتا اللہ رے قسمت

چو بہرِ سال تاریخش قلم کردم سرِ اعدا — سنِ ترحیلِ سُلطانی ز لفظ غور شد پیدا
٦١٢ ٠ ٥

کوئی کہتا تھا اسمٰعیلیوں[1] کی یہ شرارت تھی — کوئی کہتا تھا گھوگھر قوم[2] کے دل میں عداوت تھی

کسی سے ہو سکے گا فیصلہ کیا ان بیانوں کا — غرض ہے اختلاف اسمیں بہت تاریخ دانوں کا

کوئی کہتا ہے دھمیک[3] میں مزارِ پاک سُلطاں ہے — کوئی کہتا ہے غزنی مدفنِ سلطان ذیشاں ہے

بڑی چالاکیوں کے ساتھ شاہنشاہ غوری نے — کئے تھے تین حصے ملک میں اپنی حکومت کے

جو تاج الدین یلدز[5] غور و غزنی کا گورنر تھا — تو قطب الدین ایبک[4] حکمراں پنجاب و دہلی تھا

حکومت سندھ میں تھی ناصر الدین[6] قباچہ کی — انہیں کے ہاتھ میں تھی سطوتِ جمجاہی غوری

---

[1] اسماعیلی جماعت نے سندھ اور ملتان میں زور پکڑ لیا تھا۔ جس کو شہاب الدین غوری نے ختم کر دیا تھا۔ [2] گھوگھر قوم لاہور و غزنی کے درمیان پہاڑوں میں بسی ہوئی تھی۔ جو اکثر شاہی محاصل کو راستے میں لوٹ لیا کرتی تھی۔ اور طاقتور ہو چکی تھی۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کی۔ تو اس کے باقی ماندہ افراد نے سلطان کے قتل کا حلف اٹھایا تھا (باقی آگے صفحہ پر)

ادھر شاہنشہ غوری نے چھوڑا عالمِ فانی — اُدھر تینوں نے کی مشہور اپنی اپنی سُلطانی

کچھ اتنی علم کی تھی قدر غوری کی حکومت میں — سمٹ آئی تھی دنیائے علوم اسکی معیت میں

امام عصر فخر الدین رازی فاضلِ دوراں — کمال الدین عثمان ترمذی علامۂ ذیشاں

قطب الدین محمد بن ملک مشہور حرجانی — معین الدین چشتی خواجۂ دنیائے عرفانی

غرض جتنے تھے عہدِ غزنوی کے شاعر و صوفی — سمٹ کر زیب و زینت بن گئے تھے بزم غوری کی

ہوئی جب منسلک ہندی حکومت سندھ و دہلی سے — تعلق کچھ رہا باقی نہ ہندوستاں کا غزنی سے

وہ سلطاں فخر جس پر کر رہا تھا تاجِ سلطانی — وہ سلطاں کانپتے تھے جس سے ایرانی و افغانی

وہ سلطاں جس نے دہلی سے کیا بنگال تک قبضا — وہ سلطاں ملک میں جاری تھا جس کے نام کا سکہ

وہ سلطاں جسکی سلطانی میں درویشی نمایاں تھی — وہ سلطاں جسکی شوکت پر زمینِ ہند نازاں تھی

وہ سلطاں جو زمینِ ہند کی آنکھوں کا تارا تھا — وہ سلطاں غیر قوموں سے بھی جس کو بھائی چارہ تھا

وہ سلطاں دیندارانہ بسر کی جس نے شاہی میں — لیا دولت کا مصرف ہی نہ کچھ دولت پناہی میں

(باقی ص ۱۵۸) ۳ؔ دھمیک جہاں سلطان شہید کیا گیا ۴ؔ تاج الدین یلدز، اور قطب الدین ایبک اور ناصر الدین قباچہ تینوں سلطان غوری کے غلام تھے۔ جو سلطان کی زندگی میں لاہور۔ سندھ، غزنی میں گورنر تھے۔ بعد میں وہی تینوں بادشاہ ہوئے۔

وہ سلطاں سر جھکایا جس کے آگے ترک و تازی نے
وطن پیدا کیا غربت میں جس کی دلنوازی نے

وہ جب رخصت ہوا دنیا سے دولت کچھ نہ کام آئی
پیامِ مرگ جب آیا تو حشمت کچھ نہ کام آئی

پڑا تھا کشوروں میں غلغلہ جن تاجداروں کا
پتا بھی آج کچھ ملتا نہیں اُن کے مزاروں کا

جہاں نغموں سے تھا گونجا ہوا ایوانِ سلطانی
اب اُن کھنڈروں میں اُلو کر رہے ہیں مرثیہ خوانی

تجلی زار کا دھوکا تھا جسکی بزم روشن پر
دیئے مٹی کے بھی جلتے نہیں اب انکے مدفن پر

جہاں آٹھوں پہر رہتا تھا مجمع خوش جمالوں کا
بسیرا ہے ابابیلوں کا مسکن ہے شغالوں کا

جہاں تھی رنگ رلیاں رات دن جوشِ مسرت میں
وہاں اِک ہُو کا عالم ہے اداسی کی رفاقت میں

جہاں تھی بارشِ بارانِ دولت ہُن برستا تھا
وہاں اب پھاڑ کھاتا ہے در و دیوار کا سایہ

یہ دنیا ہے یہاں جسکی بلندی اُسکی پستی ہے
اسی پر انحصارِ رونقِ بازار ہستی ہے

یہاں ہر سانس پر اک گردشِ ایّام ہوتی ہے
یہاں ہر رات کا دن ہر سحر کی شام ہوتی ہے

بہ آسانی نکل جاتی ہے جو گرداب مشکل سے
وہ کشتی ڈوب جاتی ہے کبھی ٹکرا کے ساحل سے

کبھی بچپن کبھی ہے ولولہ جوشِ جوانی کا
چراغ آخر کو بجھ جاتا ہے صبحِ زندگانی کا

بسر ہوتی ہے جسکی انبساطِ عیش و عشرت میں ‏ ‏ ‏ وہ پھنس جاتا ہے آخر قیدِ زندانِ مصیبت میں

جو سر تاجِ شہی سے تمکنت ساماں بھی ہوتا ہے ‏ ‏ ‏ وہی اک روز نذرِ خنجرِ برّاں بھی ہوتا ہے

کبھی نوبت خوشی کی ہے کبھی ہے غم منانیکی ‏ ‏ ‏ کبھی اک حال پر رہتی نہیں گردش زمانیکی

اسی پر منحصر ہے گلشنِ عالم کی رعنائی ‏ ‏ ‏ جو شبنم کے گرے آنسو تو پھولوں کو ہنسی آئی

گُلوں کی پتی پتی انقلاب آگیں نہیں ہوتی ‏ ‏ ‏ تو نظمِ باغِ عالم کی کوئی تزئیں نہیں ہوتی

کوئی لیتا نہ اپنے سر پہ زحمت بادشاہی کی ‏ ‏ ‏ فقیری نے بڑھادی آبرو دولت پناہی کی

اب اس کے بعد ہونگی دفترِ دوئم کی تعبیریں ‏ ‏ ‏ نظر آئینگی جس میں ان شہنشاہونکی تصویریں

زمانے میں جنہیں حاصل ہے شانِ امتیاز اتبک ‏ ‏ ‏ زمینِ ہند و ایراں کو رہا ہے جن پہ ناز اتبک

قطعاتِ تاریخ طبع شاہنامۂ ہند جلد اوّل
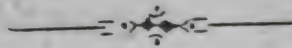
(کلیم طورِ سخندانی حضرت سیّد شاہ افقر موہانی لکھنوی، مدیرِ رسالہ جام جہاں نما لکھنؤ)

مٹائی جا رہی ہوں جب اساسِ حق کی تعمیریں
لبھائے جاتے ہوں جب دل فریبِ حسنِ باطل سے

نشاں بھی جب نہ رہنے پائیں آثارِ قدیمہ کے
بھلائے جائیں نامِ پاک جب اسلاف کے دل سے

شہیدانِ وفا کی زندۂ جاوید لاشوں کو
لحد ملتی ہو دقّت سے کفن ملتا ہو مشکل سے

مساجد اور مقابر پر نظر ہو بد نگاہوں کی
دبائی جائے تکبیرِ اذاں جب شورِ باطل سے

جفا سے بدلے جائیں کارنامے جب وفاؤں کے
بھلائی جائے تاریخِ سلاطیں صفحۂ دل سے

ضرورت ایسے پر آشوب عالم میں تھی اے افقرؔ
کہ جادہ پر کوئی منزل رسیدہ آئے منزل سے

یہ منظر دیدنی ہے آج طوفانِ حوادث میں
کہ ہم تو ڈوبتے ہیں ہنس رہے ہیں لوگ ساحل سے

بحمداللہ کہ سامانِ طمانیت ہوئے پیدا　　نقوشِ حق وہ اُبھرے جو دبے تھے زورِ باطل سے

تعالی اللہ سریر کابری نے از سر کوشش
٣٦
لکھا کیا شاہنامہ ہند کا تحقیق کامل سے

۱۳۷۴ھ

ولہٗ

شاہکار بے بہا و نازشِ دورِ کہن　　یادگار رفتگاں ہے شاہنامہ ہند کا

تازہ افکار سریر کابری میں کم سے کم　　رشک صد ایرانیاں ہے شاہنامہ ہند کا

اور میم کم کی بیشی میں ہے افتخر یہ شرف　　افتخار طوسیاں ہے شاہنامہ ہند کا

۱۳۷۴ھ
۱۹۵۵ء

سرآمد سخنوران جناب نواب احسان علی خاں احسان لکھنوی

مرحبا صد مرحبا فردوسی[1] ہومر[1] کے بعد　　آگئی بازار میں تاریخ منظوم سریر

حرف حرف اس کا ہے دنیائے سخن کی کائنات　　ہند میں پیدا ہوا فردوسیٔ روشن ضمیر

ہاں مگر اب غزنوی سا قدرداں کوئی نہیں　　کون دے اس کا صلہ، ہے آج قوم اپنی فقیر

[1] فردوسی جس نے ایران کا شاہنامہ لکھا۔ ہومر جس نے یونان کا شاہنامہ لکھا۔

اور جلدیں بھی چھپیں، عمرِ مصنف ہو دراز تُو تو ہے ہر شئے پہ قادر، اے خداوند قدیر

سوچتے کیا ہو اگر ہے تمکو فکرِ سال طبع لکھ دو اے احسانؔ نادر شاہ کارِ بے نظیر

۱۹۵۴ء

فخرِ شاعرانِ بے نظیر حضرت قدیرؔ احمد خاں قدیرؔ لکھنوی

عہدِ ماضی کے بادشاہوں کی اک حقیقت ہے شاہنامۂ ہند

دل بھر آتا ہے پڑھنے والوں کا درسِ عبرت ہے شاہنامۂ ہند

سنگدل کوردِ باطنوں کے لئے نورِ ظلمت ہے شاہنامۂ ہند

کیوں نہ دیکھیں بغور اہلِ نظر خوبصورت ہے شاہنامۂ ہند

جنگجویانِ علم و فن کے لئے بابِ نصرت ہے شاہنامۂ ہند

کیوں نہ دیں داد پڑھکے اہلِ نظر پُر فصاحت ہے شاہنامۂ ہند

کارنامہ ہے سحرؔ کا گویا شانِ قدرت ہے شاہنامۂ ہند

تم بھی لکھ دو قدیرؔ اک تاریخ بیش قیمت ہے شاہنامۂ ہند

علم و فن کے شناوروں کے لئے
بحر فرحت ہے شاہنامہ ہند
۱۳۷۴ھ

ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی جانشین حضرت داغ دہلوی

شاہنامہ ہند کا شائع ہوا
ہے بہت دلکش یہ تصنیف سریر
نوح فکر سال ہجری کس لئے
کہہ بھی دو عالی کلام بے نظیر
۱۳۷۴ھ

حضرت محوی صدیقی لکھنوی حال مقیم بھوپال

چھپا طبع گردید تاریخ مسلم
زہے فکر رنگیں، زہے نوک خامہ
بگو مصرع سال تاریخ محوی
مرتب شدہ بے بہا شاہنامہ
۱۳۷۳ھ

سرتاج مورخان ابو اللسان حضرت بسمل سنسہاروی گیاوی مالک شمسی پریس گیا

شاہنامہ فاتحان ہند کا
رشحہ کلک سریر نکتہ داں

ایک مدت سے تھا جس کا انتظار — ہو گیا حاصل وہ گنج شائیگاں
سال ترتیب اس کا بسمل یوں کہو — جوہر فکر سریر خوش بیاں

۵۳ ۶۱۹

فخر الشعرا حضرت شاہ قائم صاحب قتیل سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ نظامیہ داناپور، پٹنہ

حبذا فردوسیٔ دوراں سریر کا بری — اپنی تیغ کلک سے جو صاحب تسخیر ہے
طوطیٔ گلزار معنی بلبل باغ بہار — شاہباز نظم فخر مصحفی و میر ہے
کوکب برج امیر و گوہر درج جلیل — ہر سخن میں اک اثر، ہر لفظ میں تاثیر ہے
شاہنامہ سے لگے اے مرحبا کیا چار چاند — ہند ایراں بن گیا، کیا خوبیٔ تحریر ہے
شعر شعر اس کا ہے توحید و مناقب کا علم — نعت ہے، تقدیس ہے، تحلیل ہے تکبیر ہے
صفحہ صفحہ جوش مضموں سے ہے سیلاب جہاد — مد و جزر شعر رشک موجۂ شمشیر ہے
دل کے ٹکڑے کر رہی ہیں معرکہ آرائیاں — تیغ ہے جو لفظ ہے، جو حرف ہے شمشیر ہے
مصرعۂ سال طباعت عرض کرتا ہے قتیل — شاہنامہ سالکان ہند کی تصویر ہے

۱۳۷۴ھ

مصور جذبات حضرت شمس گیاوی یادگار حضرت شفق عماد پوری نور اللہ مرقدہ

ہماری قوم کو جس کی بڑی ضرورت تھی — چھپی ہے آج وہ تصنیف بے عدیل و نظیر

ہے صفحہ صفحہ سے تنویر ماضیہ کا ظہور
ورق ورق پہ ہے اقبال قوم کی تصویر
اب اس پہ پردہ جو ڈالے تو کوئی کیا ہوگا
چھپے گی بدلیوں میں کب شعاع مہر منیر
ہے فکر مصرعۂ تاریخ اگر ز روئے بقا
تو شمسؔ آپ یہ کہدیں ضیائے طبع سحر یہ
۱۳۴۷ھ

سیّد بدر الدین صبر مخدوم آبادی "تلمیذ حضرت سحر کا بری مصنف "شاہنامہ"

صد شکر چھپی آج وہ تصنیف گرامی
ہے اپنے لئے جو سبب فخر و مباہات
ہر لفظ میں ہے شوکت اعجاز مسیحا
اللہ رے طبع سخن آرا کے کرامات
ہر حرف میں پوشیدہ ہے دریائے معانی
ہر صفحہ ہے اُمنڈا ہوا اک بحر خیالات
دکھلائے خدا جلد اس آغاز کا انجام
ہر شخص تہہ دل سے دعا کرتا ہے دن رات
اے صبر جو ہے آپ کو فکر سن تاریخ
کہہ دیجئے تصویر کش پیک فتوحات
۱۹۵۳ء

سیّد شاہ لال صاحب مانی القادری امجھری گیاوی سنٹرل اکسائز انسپکٹر مزاجگنج چھپرا

چھپ گیا اور چھپ کے نکلا آج با صد اہتمام
حضرت اُستاد کا یہ شاہ کار بے بہا
بانکپن میں سادگی ہے، سادگی میں بانکپن
ہر جگہ بندش نئی، عنواں نئے، مضموں نیا
جن کی قبروں کے بھی اب باقی نہیں نام و نشاں
اُنکو زندہ کر کے دکھلانا، انہیں کا کام تھا

ہیں سلف کے کارنامے باعثِ فخرِ خلف
شاہنامہ لکھ کے مسلم قوم پر احساں کیا
فکرِ سال طبع ہے ماؔنی تو از روئے جمل
کہد و ہے بہتر سے بہتر شاہنامہ مرحبا
۱۹۵۵ء

محمد یعقوب آوؔارہ مظفرپوری شاگرد حضرت مصنّف

ہے کون آج حضرت استاد کے سوا
مضمون طرازِ معرکہ آرائے شاعری
لکھا ہے شاہنامہ عجب ہند و پاک کا
ہر لفظ جس کا روح روانِ فسونگری
ہر شعر جس کا ہے سبق آموزِ زندگی
کیوں ایسی شاعری کو نہ سمجھو پیمبری
مشکل ہے واقعات کی تصویر کھینچنی
آساں نہیں ہے جذبۂ دل کی مصوری
آوارہ کہد و از سرِ ابجد یہ سالِ طبع
سازِ کمال رشکِ نظامی و انوری
۱۹۵۴ء

نواب سیّد حیات حسین صاحب وفا حسین آبادی تلمیذ مصنّف

قوم کو یہ تحفۂ نادر مبارک ہو وفاؔ
کس تزک سے آج یہ تصنیف الہامی چھپی
مصرعِ تاریخ سالِ طبع کی ہے فکر کیا
کہدو برجستہ یہ تم "تاریخ اسلامی چھپی"
۱۳۷۳ھ

جناب مولوی سیّد مبین الدین صاحب ماہر بیتھوی گیاوی پیشکار عدالت

بحمد اللہ چھپا کیا شاہنامہ
زمانے میں ہے جسکی شہرت عام
اگر ہے فکرِ سالِ طبع ماہر
تو برجستہ کہو تاریخ اسلام
۱۳۷۴ھ

غلط نامہ

صفحہ	غلط	صحیح
۱۲	ہوا پھر اُٹھ کے ہر احباب ہر اغیار سو رخصت	اُٹھا اُٹھ کر ہوا احباب سے، اغیار سے رخصت
۱۷	اسی افکار ہیں کوہ و بیاباں پے سپر کر کے	انہیں افکار میں کوہ و بیاباں بے سپر کر کے
۳۲	کماندار و یمنیں ارجن زور بازو میں تہمتن تھا	کماں داری میں ارجن، زور بازو میں تہمتن تھا
۸۱	دکھائے گا جسارت تیرا قلب مضمحل کتنا	تری ہمت کہاں تک، تیرا قلب مضمحل کتنا
۸۲	بکے بعد دیگرے گر گر کے قصر بام عالی سے	یکے با دیگرے گر گر کے بام قصر عالی سے
۹۲	جہاں دانہ تو کیا جز اشک ہاتھ آتا نہ پانی بھی	جہاں دانہ تو کیا جُز اشک ہاتھ آتا نہ تھا پانی
۹۵	جہاں میں جیتے جی ہوتی نہیں ہے قدر کچھ جسکی	کسی دن قدر دانی کی گئی جس کی نہ جیتے جی
۱۵۸	تو قطب الدین ایبک حکمراں پنجاب و دھلی تھا	تو قطب الدین ایبک حکمراں تھا شہر دھلی کا
۱۶۸	تو برجستہ کہو تاریخ اسلام	تو برجستہ کہو تاریخ الاسلام
۱۷۳	مرحبا صد مرحبا فردوسی ہومر کے بعد	مرحبا صد مرحبا فردوسی و ہومر کے بعد

ملنے کا پتہ :- (۱) سکریٹری کا بریہ اکیبنا گورنمنٹ اسکول محلہ رمنہ گیا (۲) کتاب منزل باری روڈ، شہر گیا